اجتہاد: شرعی نصوص سے احکامات اخذ کرنے کا طریقہ
نہ کہ انسانی عقل کی اختراع

اجتہاد: شرعی نصوص سے احکامات اخذ کرنے کا طریقہ نہ کہ انسانی عقل کی اختراع

گذشتہ ایک دہائی سے جہاں امت کے ساتھ ساتھ باقی دنیا بڑی تعداد میں اسلام کی طرف راغب ہونا شروع ہوئی وہاں اسلام سمجھانے کی ''صنعت'' بھی اپنے عروج پر ہے۔ بدقسمتی سے اسلام کے افکار پر ہونے والی بحث اسلام کی واضح اور شفاف فکر پہنچانے کے بجائے امت کے افکار کو دھندلانے کا زیادہ سبب بن رہی ہے۔ انہیں میں سے ایک فکر اجتہاد کی ہے۔ اجتہاد کے بارے میں پچھلے کچھ عرصے سے ذرائع ابلاغ خصوصاً الیکٹرونک میڈیا میں ایک بحث جاری ہے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ بحث امت کو اجتہاد کے مفہوم سے آگاہی تو کجا اسلام کی بنیادوں پر ضرب لگانے کی کوشش محسوس ہوتی ہے۔ اجتہاد پر بات کرنا ایک فیشن بن گیا ہے۔ خصوصاً وہ لوگ جو اسلام کو سرمایہ دارانہ کفریہ نظام کے ساتھ ہم آہنگ کرنا چاہتے ہیں، اجتہاد پر لیکچر دیتے نظر آتے ہیں۔ یوں یہ ''جدیدیت پسند'' (Modernists) آزادیاں، مساوات، سود وغیرہ پر ''اجتہاد'' کرتے ہیں اور ان کے ساتھ ''اسلامی'' کے سابقے اور لاحقے لگا کر امت کو موجودہ حالات اور نظام کو من وعن قبول کرنے کے لئے ذہنی اور فکری طور پر تیار کرتے ہیں۔ اجتہاد کے خوبصورت لبادے میں سرمایہ دارانہ بینکاری نظام اور اس کا سود، ایٹمی اسلحے کی تلفی، اقوام متحدہ اور ڈبلیو ٹی او جیسے اداروں میں شمولیت، مذہبی آزادی کے نام پر قادیانیت یا نصرانیت کی تبلیغ وغیرہ تمام غیر اسلامی اقدامات کو اسلامی رنگ دے دیا جاتا ہے۔ یہ جدیدیت پسند اجتہاد کے کاندھے پر رکھ کر بے راہ روی کی ایسی بندوق چلانا چاہتے ہیں جس کے بعد اسلام اور کفر میں کوئی تمیز باقی نہ رہے۔ 11 ستمبر 2001 کے بعد مفتی اور سپہ سالارِ پاکستان جناب جنرل مشرف'' نے ''مجتہد'' بش کے دئے اصولوں پر چل کر مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگ میں شامل ہونے کے لئے صلح حدیبیہ سے ''اجتہاد'' فرمایا تھا۔ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ جہاد کے خاتمے سے متعلق جناب مشرف کا ''اجتہاد'' مرزا غلام احمد قادیانی کے ''اجتہاد'' سے حیرت انگیز طور پر مماثلت رکھتا ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کے لئے فتنۂ قادیانیت اور دین اکبری جیسے کسی نئے فتنے سے بچنے کے لئے اجتہاد کے بارے میں واضح سمجھ بوجھ کا ہونا نہایت ہی ضروری ہے۔

اس مضمون میں ہم پہلے اجتہاد کی حقیقت پر روشنی ڈالیں گے پھر ان تمام باطل افکار کا ایک ایک کر کے جائزہ

لیں گے جو امت میں اجتہاد کے بارے میں دانستہ یا غیر دانستہ طور پر پھلائے جارہے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ کہ اجتہاد ان معاملات میں ہوتا ہے جس میں شریعت خاموش ہو یا وقت گزرنے کے ساتھ سود اور پردے جیسے مسائل میں نئے اجتہاد کر کے اسلام کو اکیسویں صدی کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا چاہئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حالات بدلنے کی وجہ سے اب ساتویں صدی عیسوی کا ''دقیانوسی معاشرہ'' تشکیل نہیں دیا جاسکتا۔ نیز یہ غلط فہمی بھی پائی جاتی ہے کہ حکمران اجتہاد کر کے اپنی مرضی سے اسلامی حدود و قوانین کو مؤخر، معطل یا تبدیل کرنے کا اختیار رکھتے ہیں۔

اجتہاد کسے کہتے ہیں؟

جہاد کی طرح ''اجتہاد'' کے بھی دو معنی ہیں یعنی لغوی اور شرعی۔ لغت کی رو سے اجتہاد کے معنی کسی ایسے مسئلے کو سمجھنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرنے کا نام ہے جس کی تہہ تک پہنچنے کے لئے محنت و کوشش درکار ہو۔ جبکہ شریعت کے رو سے کسی بھی مسئلے کو سمجھنے اور پھر اس کے بارے میں شرعی مصادر سے غالب ظن کی بنیاد پر اللہ کا حکم اخذ کرنے میں تمام تر کوشش صرف کرنا یہاں تک کہ اس کے بعد اس مجتہد کے لئے اس مسئلے میں مزید کوشش اور محنت کرنا ممکن نہ ہو، اجتہاد کہلاتا ہے۔ چنانچہ قرآن، سنت، اجماع الصحابہ اور قیاس جیسے شرعی مصادر سے کسی بھی مسئلے کے بارے میں اللہ کے حکم کو اخذ کرنے کے عمل (process) کو اجتہاد کہتے ہیں۔ اجتہاد صرف اور صرف انہی مسائل میں ہوسکتا ہے جن کے بارے میں قرآن وسنت میں ظنی دلائل وارد ہوئے ہوں۔ ان تمام مسائل میں اجتہاد کی کوئی گنجائش نہیں جن کے بارے میں قرآن وسنت میں واضح اور قطعی دلائل موجود ہیں مثلاً شراب، سود، سور کی حرمت وغیرہ (قطعی اور ظنی دلائل کی تفصیل آگے آئے گی)۔

اجتہاد کے عمل (process) کے دو پہلو ہیں: اول مسئلے کی حقیقت کو سمجھنا جس کے لیے شرعی حکم درکار ہے، اس عمل کو ''تحقیق المناط'' کہتے ہیں۔ مثلاً کلوننگ کیا ہے، پبلک اور پرائیویٹ لیمیٹڈ کمپنیاں کس طرح وجود میں آتی ہیں، بینکنگ کے نظام کی تفصیلات کیا ہیں وغیرہ۔ دوئم: اس مسئلے کے بارے میں قرآن وسنت میں اللہ کے وارد شدہ حکم کو تلاش کرنا۔ یعنی کلوننگ، پبلک اور پرائیویٹ لیمیٹڈ کمپنیوں وغیرہ کے بارے میں قرآن وسنت میں کیا دلائل وارد ہوئے ہیں۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ کسی بھی مسئلے کی حقیقت کو اچھی طرح سمجھنے کے بعد اس کے بارے میں قرآن اور سنت میں وارد اللہ کے احکامات کو غالب ظن کی بنیاد پر اخذ کرنے کے عمل کو اجتہاد کہتے ہیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اجتہاد کسی مجتہد کی اپنی پسند یا ناپسند پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ یہ فقط قرآن اور سنت میں وارد

شدہ اللہ کے احکامات کو **سمجھنے اور تلاش کرنے** کا نام ہے۔ اسی لئے ہر مجتہد مستنبط شدہ حکم کے لئے شرعی مصادر سے دلیل پیش کرنے کا پابند ہوتا ہے تا کہ دیگر علماء اور مقلدین اس حکم کی صحت کی جانچ پڑتال کر سکیں۔ چنانچہ ایک مجتہد کسی بھی مسئلے کے بارے میں قرآن وسنت، اجماع الصحابہ اور قیاس جیسے شرعی مصادر سے اللہ کے حکم تک رسائی حاصل کرتا ہے۔

گو کہ اسلام میں عیسائیت کی طرح مذہب پر چند افراد کی اجارہ داری کا کوئی تصور نہیں اور اللہ ہر مسلمان کو اسلام سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہے لیکن قرآن وسنت سے از خود احکامات استنباط کرنا ہر مسلمان کے لئے ممکن نہیں جب تک کہ وہ اس کی صلاحیت حاصل نہ کر لے۔ جس طرح ایک انگریزی پڑھنے والا فقط آئین یا پاکستان پینل کوڈ کو پڑھ کر قانونی ماہر نہیں بن جاتا اسی طرح فقط عربی کی تھوڑی بہت سمجھ یا قرآن اور حدیث کا ترجمہ پڑھ لینے سے انسان نصوص سے شرعی احکامات اخذ کرنے کی صلاحیت حاصل نہیں کر لیتا۔ اجتہاد کرنے کی شرائط اصول الفقہ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ چنانچہ مجتہد وہ قانونی ماہر (legal expert) ہوتا ہے جو نصوص یعنی قرآن وسنت سے شرعی احکامات اخذ کرنے کی استعداد رکھتا ہو۔

اجتہاد صرف براہ راست عربی نصوص تک رسائی کے ذریعے ہی کیا جا سکتا ہے۔ شرعی نصوص (قرآن و حدیث) عربی زبان میں وارد ہوئے ہیں اور ان کے تراجم شرعی نصوص (قرآن وحدیث) نہیں کہلا سکتے کیونکہ ترجمہ نص کے صرف ایک مطلب ہی کو بیان کرتا ہے جو مترجم نے سمجھا ہو۔ چنانچہ کسی آیت یا حدیث کا ترجمہ دراصل اس آیت یا حدیث کے اس معنی کا ترجمہ ہے جو مترجم کو سمجھ میں آیا یا جسے اس نے دیگر مطالب میں زیادہ درست گردانا۔ مثال کے طور پر قرآن کی آیت ﴿أَوْ لَـٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ کے دو ممکنہ تراجم ہیں۔ وہ مفسر جو لفظ ''لمس'' کے معنی جماع کے لیتے ہیں وہ اس آیت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں ''اور اگر جب تم نے اپنی عورتوں میں سے (کسی کے ساتھ) جماع کیا ہو''۔ جبکہ وہ مفسر جو ''لمس'' کے معنی مجرد ''ہاتھ لگانے'' کے کرتے ہیں تو وہ اس آیت کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں: ''اور اگر جب تم نے اپنی عورتوں کو ہاتھ لگایا ہو''۔ چنانچہ ترجمہ عربی نص کے تمام ممکنہ معنی محفوظ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ یہی وجہ ہے کہ اجتہاد کے عمل میں قرآن وحدیث کے اصل الفاظ (original text) کی بڑی اہمیت ہوتی ہے تا کہ مجتہد نص میں وارد شدہ تمام ممکنہ مطالب کو سامنے رکھتے ہوئے ان میں سب سے زیادہ درست معنی کو اختیار کر سکے۔ اسی لئے مجتہد کو عربی پر مکمل دسترس رکھنا لازمی ہے اور محض ترجمہ پڑھ کر اجتہاد ممکن نہیں۔

مزید برآں اجتہاد کچھ متعین اصولوں کی بنیاد پر کیا جاتا ہے جو کہ بذات خود شرعی نصوص اور عربی لغت اور گرائمر کے قوانین سے اخذ کئے جاتے ہیں۔ یہ متعین اصول، اصول الفقہ کہلاتے ہیں۔ یہ اصول ایک مجتہد کے لئے وہ ڈھانچہ (framework) مہیا کرتے ہیں جس کو بنیاد بنا کر ایک مجتہد ایک حدیث کو دوسری حدیث پر ترجیح دیتا ہے، آیات کی تفسیر کرتا ہے، احادیث کے ذریعے عام احکامات میں تخصیص کرتا ہے یا مطلق اور مقید کی تمیز کرتا ہے وغیرہ۔ انہی اصولوں میں تھوڑے بہت اختلاف کی وجہ سے مختلف مکاتب فکر (school of thought) جنم لیتے ہیں۔ احناف کے بیشتر اصول شوافع، حنابلہ اور مالکیوں سے مختلف ہیں اور اسی وجہ سے ایک ہی حدیث یا آیت سے یہ مکاتب فکر مختلف احکامات تک پہنچتے ہیں۔ چنانچہ بعض اوقات اصول الفقہ میں اختلاف مجتہدین کو ایک ہی مسئلے میں مختلف نتائج تک پہنچا دیتا ہے۔

ایک مجتہد کی شرائط میں فصیح عربی پر عبور، اصول الفقہ سے آگاہی، قرآن کی تفسیر اور علم الحدیث پر دسترس وغیرہ کا ہونا لازمی ہے۔ ان قوائد کی سمجھ کے بغیر ایک شخص خود اجتہاد کرنا تو درکنار کسی دوسرے کے اجتہاد کو سمجھنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتا۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ جیسے بنیادی سائنسی علوم کے بغیر نیوٹن کے قوانین حرکت (Laws of Motion) اور آئن سٹائن کی سپیشل تھیوری آف ریلیٹیویٹی (Special Theory of Reletivity) نہیں سمجھے جاسکتے کجا یہ کہ ان پر تنقید کی جائے یا ان میں تبدیلی لائی جاسکے۔ لیکن افسوس آج کے جدیدیت پسند (modernist) ان بنیادی علوم کو سمجھے بغیر اپنی خواہشات اور استعماری احکامات پر کاربند ہو کر اسلام کا حلیہ بدلنے کے لئے نئے نئے ''فتوے'' دیتے نظر آتے ہیں۔

قرآن اور سنت، قانونی متن (legal text) ہیں جو نہایت ہی فصیح اور بلیغ ہونے کے ساتھ ساتھ عام (general) اور جامع (comprehensive) ہیں۔ آج کے دور میں ہونے والی کلوننگ کے بارے میں احکامات قرآن اور سنت میں موجود ہیں حالانکہ کوئی ایسی آیت یا حدیث نہیں ملتی جس میں ''کلوننگ'' کا لفظ استعمال ہوا ہو بلکہ جو چیز قرآن میں وارد ہوئی ہے وہ کلوننگ کی حقیقت یا اس طریقہ کار (process) کے بارے میں احکامات ہیں۔ اجتہاد کے طریقہ کار کو سمجھانے کے لئے اب ہم کلوننگ کے موضوع پر کئے گئے اجتہاد کو بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔

کلوننگ کیا ہے؟

اس سے قبل کہ ہم کلوننگ کے بارے میں کسی قسم کا شرعی حکم تلاش کریں ہمیں کلوننگ کے بارے میں مکمل اور صحیح معلومات حاصل کرنا نہایت ہی ضروری ہیں۔ اجتہاد کے عمل میں مسئلے کی حقیقت کو سمجھنا، جس کے بارے میں شریعت کا حکم درکار ہو، سب سے پہلا مرحلہ ہوتا ہے۔ اس عمل کو شرعی اصطلاح میں ''تحقیق المناط'' کہتے ہیں۔ ''مناط'' یا مسئلے کی حقیقت کو سمجھے بغیر صحیح اجتہاد ممکن ہی نہیں۔ چنانچہ کلوننگ کی حقیقت یہ ہے کہ کسی جاندار جیسے پودے، جانور یا انسان کی ہو بہو نقل بنانے کو کلوننگ کہتے ہیں۔ پس انسانی کلوننگ سے مراد ایک مخصوص طریقہ کار اپناتے ہوئے ایک انسان کی طرح کا ہو بہو دوسرا انسان بنانا ہے۔ کلوننگ میں ایک انسان کو مرد و زن کے ملاپ کے بغیر ایک ہی انسان کے خلیے سے پیدا کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ بجائے اس کے کہ 23 کروموسومز (chromosomes) مرد سے اور 23 کروموسومز عورت سے حاصل کر کے ایک بچہ وجود میں آئے، کلوننگ میں چھیالیس کے چھیالیس کروموسومز ایک ہی فرد کے خلیے سے نکال کر کسی بھی ماں کے رحم میں ڈال دئے جاتے ہیں جو ایک بچے کو جنم دیتی ہے۔ اس مخصوص طریقہ پیدائش کو انسانی کلوننگ کہتے ہیں۔

اس کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ کسی مخصوص انسان کی نقل بنانے کے لئے اس شخص (مرد یا عورت) کے جسم کے کسی بھی حصہ سے ایک زندہ خلیہ (Cell) لیا جاتا ہے۔ سائنسدان اس خلیہ (Cell) سے اس کا مرکزہ (Nucleus) نکال لیتے ہیں جس میں اس شخص کے 46 مخصوص کروموسومز (chromosomes) ہوتے ہیں۔ چنانچہ سائنسدان اس حاصل شدہ مرکزہ (Nucleus) کو عورت کے بیضہ (Egg) کے مرکزہ (Nucleus) کی جگہ ڈال دیتے ہیں۔ بالفظ دیگر سائنسدان عورت کے بیضہ میں موجود مرکزہ (Nucleus) نکال کر ضائع کر دیتے ہیں اور اس کی جگہ اُس مرد یا عورت کا مرکزہ ڈال دیتے ہیں جس کا کلون بنانا مقصود ہو۔ یہ بھی واضح رہے کہ یہ مرکزہ اس شخص کے جسم کے کسی بھی خلیہ سے حاصل کیا جاتا ہے سوائے اس کے جنسی خلیوں (Sexual Cells) کے۔ پھر اس تبدیل شدہ بیضہ (Egg) کو کسی بھی عورت کے رحم میں منتقل کر دیا جاتا ہے جہاں یہ نشوونما کے فطری مراحل سے گزر کر نو ماہ بعد نوزائدہ بچہ بن جاتا ہے۔ کلوننگ کے اسی طریقے پر چل کر سائنسدان اب تک مختلف جانوروں کی کلوننگ کر چکے ہیں۔

لہذا اس عمل سے بننے والا بچہ اپنے چھیالیس کروموسومز صرف اس مرد یا عورت سے حاصل کرتا ہے جس کا مرکزہ (Nucleus) کلوننگ کے عمل میں استعمال کیا گیا ہو اور اسے اس عورت سے کوئی کروموسوم وراثت میں نہیں ملتے جس کا بیضہ (Egg) یا رحم (Womb) استعمال کیا گیا تھا۔ یہ کروموسومز ہی ہوتے ہیں جو ایک

شخص کو دنیا کے تمام دیگر انسانوں سے ممتاز اور منفرد بناتے ہیں اور اس کے جسمانی خدوخال، ذہنی صلاحیت، شکل و شباہت وغیرہ متعین کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کلون بچے کی تمام موروثی خصوصیات اور خصلتیں ہو بہو اس شخص کی ہونگی جس کا مرکزہ (Nucleus) استعمال کیا گیا تھا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کلون بچہ تمام پیدائشی خواص میں وارث بنتا ہے نہ کہ ان خواص میں جو ایک انسان نے دوران زندگی اپنی محنت یا تجربہ سے حاصل کئے ہوں۔ پس اگر یہ مرکزہ (Nucleus) کسی بڑے پائے کے عالم، عظیم مجتہد یا نامور سائنسدان سے لیا جائے تو کلون نوزائیدہ بچے میں یہ خواص موجود نہ ہونگے کیونکہ یہ خواص دوران زندگی حاصل کئے گئے ہیں نہ کہ یہ لوگ پیدائشی طور پر عالم مجتہد یا سائنسدان تھے۔

جہاں تک قدرتی طریقہ پیدائش کا تعلق ہے تو اس میں مرد کے جنسی خلیے (Sperm) کا عورت کے جنسی خلیے (Egg) سے باہمی اختلاط عمل میں آتا ہے جن میں چھیالیس (46) کے بجائے تیئیس (23) تیئیس کروموسوم ہوتے ہیں۔ اس عمل سے بننے والے پہلے خلیہ یعنی زائی گوٹ (Zygote) میں دونوں جنسی خلیوں کے ملاپ سے چھیالیس (46) کروموسوم ہو جاتے ہیں۔ اس عمل کے ذریعے پیدا ہونے والا نومولود بچہ تیئیس کروموسوم مرد اور تیئیس کروموسوم عورت سے لیتا ہے۔ چنانچہ قدرتی پیدائش کے طریقے سے پیدا ہونے والے بچے کی خصوصیات والد اور والدہ دونوں کی جانب سے ہوتی ہیں۔ نیز بچوں کی آپس میں اور والدین کے ساتھ مشابہت بلحاظ قد، رنگت، خدوخال، ذہنی استعداد، قابلیت اور پیدائشی نفسیات مختلف درجے کی ہوتی ہے نتیجتاً ایک ہی والدین کے بچے آپس میں مکمل طور پر ایک جیسے نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ اپنے والدین میں سے کسی ایک کی مکمل کاپی ہوتے ہیں۔ جبکہ کلوننگ کے دوران انسانی جسم کے عام خلیے (Cell) استعمال کئے جاتے ہیں نہ کہ جنسی خلیے (Sexual Cells) جس کی وجہ سے نوزائیدہ بچہ اپنے تمام تر کروموسومز ایک ہی انسان سے لیتا ہے اسی لئے وہ اس کی مکمل کاپی ہوتا ہے۔

قدرتی افزائش نسل (Fertilization) نر اور مادہ دونوں کے جنسی خلیوں سے ہی ہوسکتا ہے جبکہ کلوننگ میں مرد کے بغیر بھی افزائش نسل ہوسکتی ہے اور مرد کے ساتھ بھی، کیونکہ اس میں عام انسانی خلیے استعمال ہوتے ہیں نہ کہ جنسی خلیے۔ مرد کے بغیر افزائش نسل کیلئے مرکزہ (Nucleus) عورت کے خلیہ سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اس عمل سے پیدا ہونے والا بچہ اس عورت کی مکمل نقل ہوتا ہے جس سے مرکزہ اخذ کیا گیا تھا۔ پس اس طرح کے کلوننگ کے عمل میں کسی بھی مرحلے میں مرد کی شمولیت کی ضرورت نہیں پڑتی۔

کلوننگ کے عمل کی دریافت نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ایک اور قانون سے پردہ اٹھایا ہے۔ یعنی انسانوں اور جانوروں کے غیر جنسی عام خلیوں سے بھی افزائش نسل ممکن ہے۔ پس کلوننگ کے عمل نے ثابت کیا کہ انسانوں اور جانوروں کا کوئی بھی خلیہ بچہ پیدا کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔

یہ تو تھی قدرتی پیدائش اور کلوننگ کے طریقہ کار کی تفصیل۔ ایک مجتہد ''تحقیق المناط'' (مسئلے کی حقیقت کو) سمجھنے کے بعد شرعی نصوص کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ وہ قرآن، سنت، اجماع الصحابہ اور قیاس میں اس مسئلے یا حقیقت کے بارے میں شارع کے خطاب کو تلاش کرتا ہے۔ قرآن کی کسی آیت یا رسول اللہ ﷺ کی کسی حدیث میں لفظ ''کلوننگ'' وارد نہیں ہوا لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ''کلوننگ'' کی حقیقت (جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں) کے بارے میں کوئی حکم وارد نہیں ہوا۔ پیدائش کے موضوع پر کئی آیات اور احادیث وارد ہوئی ہیں جن کا واضح اطلاق کلوننگ کے موضوع پر بھی ہوتا ہے۔ اس کی تفصیل اور بحث درج ذیل ہے:

انسانی کلوننگ کے بارے میں قرآن وسنت سے دلائل:

انسانی کلوننگ، خواہ وہ مرد کی ہو یا عورت کی اس دنیا کی تباہی و بربادی کا موجب بنے گی، اس کے تباہ کن اثرات میں کوئی شک نہیں خواہ اس کا مقصد اچھی نسل کے بچے پیدا کرنا ہو، جو ذہین، صحت مند، بہادر، خوبصورت اور سمارٹ ہوں یا اس کا مقصد ریاست کو مضبوط بنانے کیلئے آبادی بڑھانا ہو۔ یہ ایک شر ہے۔ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ مندرجہ ذیل آیات اور احادیث اس پر دلالت کرتے ہیں:

۱) <u>پیدائش کے فطری طریقے میں تبدیلی:</u>

بچوں کی پیدائش کا یہ طریقہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کو دیئے گئے فطری طریقے سے مختلف ہے اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ○ مِن نُّطْفَةٍ إِذَا تُمْنَىٰ﴾ (سورۃ النجم، آیت 46-45)

''اور اس (اللہ) نے نر اور مادہ کے جوڑے بنائے۔ نطفے سے جب وہ ٹپکایا جاتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ مزید فرماتے ہیں:

﴿أَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّن مَّنِيٍّ يُمْنَىٰ ○ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوَّىٰ ○ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ

وَالْأُنثَىٰ﴾ (سورۃ القیامۃ: 39-37)

''کیا وہ ایک نطفہ نہیں تھا جو ٹپکایا جاتا ہے پھر وہ خون کا لوتھڑا بنا پھر اللہ نے اسے بنایا اور درست کیا پھر اس سے دو قسمیں نر اور مادہ بنا دیں''

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش کے طبعی طریقہ کار کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ انسان کی پیدائش نطفہ یعنی جنسی خلیے کے ذریعے عمل میں آتی ہے۔ کلوننگ کے ذریعے پیدائش کا یہ طبعی عمل تبدیل کیا جاتا ہے جس میں ایک بچے کو جنسی خلیوں کے بجائے انسان کے کسی بھی عام خلیہ سے بنایا جاتا ہے۔ اسلام خلق اللہ کو تبدیل کرنے کو حرام گردانتا ہے۔ قرآن میں شیطان کا یہ دعویٰ بیان کیا گیا ہے کہ:

﴿وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللهِ﴾ (النساء:119)

''میں انہیں اللہ کی تخلیق کو تبدیل کرنے کا حکم دیتا رہوں گا''۔

کلوننگ میں چونکہ انسانی پیدائش کے طبعی طریقہ کار میں تبدیلی کی جاتی ہے جو کہ شیطان کے حکم کی اتباع کے زمرے میں آتا ہے اس لئے کلوننگ کا عمل شرعی لحاظ سے مردود اور حرام ہے۔

۲) **<u>مرد کے بغیر بچے کی پیدائش:</u>**

مادہ کی کلوننگ کے لئے مرکزہ (Nucleus) عورت کے خلیہ سے لیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس قسم کی کلوننگ میں کسی بھی مرحلے پر مرد کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا اور پیدا ہونے والی بچی کا کوئی باپ یا والد نہیں ہوتا۔ چنانچہ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے اس فرمان کی نہی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى﴾ (الحجرات: 13)

''اے بنی نوع انسان! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے''۔

نیز اللہ کے مندرجہ ذیل حکم پر بھی عمل درآمد مفقود و متروک ہو جائے گا۔

﴿اُدْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللهِ﴾ (سورۃ الاحزاب:5)

''انہیں ان کے والد کے نام سے پکارو کہ یہی اللہ کے ہاں زیادہ مناسب ہے''

اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہونے کے ناطے یہ ازل سے جانتا تھا کہ کلوننگ کے عمل سے ایک انسان کو بغیر کسی مرد کے عمل دخل کے بنایا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا یہ فرمان کہ ہم نے تمہیں ایک عورت اور مرد سے پیدا کیا درحقیقت پیدائش کے اس اصول اور طریقہ کار کو بیان فرمانا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال ہے۔ لہٰذا اس بیان شدہ طریقہ کار کو چھوڑ کر تمام طریقہ کار حرام ٹھہریں گے۔

علاوہ ازیں اگر کسی عورت سے اخذ کردہ مرکزہ (Nucleus) کو کسی دوسری عورت کے بیضے (Egg) کے مرکزے کی جگہ منتقل کیا جائے، پھر اس مخلوط خلیے کو کسی تیسری عورت کے رحم میں پنپنے اور بڑھوتری کیلئے رکھا جائے تو اس صورت میں پیدا ہونے والا کلون بچہ والد کے ساتھ ساتھ والدہ سے بھی محروم رہے گا۔ کیونکہ اس تیسری عورت کے رحم کی حیثیت ایک قیام گاہ کے سوا کچھ نہیں اور وہ اس کی ماں نہیں کہلائی جاسکتی گو کہ اس نے اس بچے کو جنم دیا تھا۔ یوں یہ ایک ایسے انسان کی پیدائش پر منتج ہوگا جس کا نہ تو کوئی والد ہو اور نہ ہی والدہ۔ چنانچہ یہ بھی حرام ہے۔

۳) <u>خونی رشتوں کا ناپید ہونا:</u>

اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خونی رشتوں کے تعلق کو قائم رکھنے کو لازم قرار دیا ہے۔ ابن عباسؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

((مَنِ انْتَسَبَ إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ، أَوْ تَوَلَّى غَيْرَ مَوَالِيهِ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلاَئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ)) (ابن ماجہ)

''جس کسی نے اپنا پیدائشی تعلق اپنے والد کے علاوہ کسی اور سے جوڑا یا اپنے موالی کے علاوہ کسی اور سے جوڑا جس سے اس کی کوئی نسبت نہ ہو، تو اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو''

ابی عثمان النہری نے کہا کہ اس نے سعدؓ اور ابو بکرؓ دونوں کو یہ کہتے سنا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سنا اور سمجھا۔

((مَنِ ادَّعَى إِلَى غَيْرِ أَبِيهِ وَهوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ غَيْرَ أَبِيهِ، فَالْجَنَّةُ عَلَيْهِ حَرَامٌ)) (ابن ماجہ)

''جو کوئی اپنے والد کے علاوہ کسی اور سے اپنے آپ کو منسوب کرے جبکہ وہ یہ جانتا ہو کہ وہ اس کا والد نہیں، تو اس پر جنت حرام کردی جاتی ہے''

ابو ہریرہؓ سے بھی روایت ہے کہ لعان والی آیت کے نزول کے وقت انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا:

﴿ أَيَّمَا امْرَأَةٌ أَدْخَلَتْ عَلَى قَوْمٍ نَسَبًا لَيْسَ مِنْهُمْ فَلَيْسَتْ مِنَ اللهِ فِي شَيْءٍ ، وَلَنْ يُدْخِلَهَا اللهُ الْجَنَّةَ ، وَأَيَّمَا رَجُلٌ جَحَدَ وَلَدَهُ وَهُوَ يَنْظُرُ إِلَيْهِ احْتَجَبَ اللهُ مِنْهُ وَفَضَحَهُ عَلَى رُؤُوسِ الأَوَّلِينَ وَالآخِرِينَ﴾

(الدارمی)

''جب کوئی عورت ایک قوم میں ایک ایسے بچے کو جنم دے جو ان کی نسل سے نہ ہو (یعنی ولد الزنا) تو اسے اللہ سے کوئی سروکار نہیں اور نہ ہی وہ جنت میں داخل ہوگی اور کوئی شخص جو اپنے بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے اس (کی ولدیت) سے انکار کرے تو اللہ اس پر اپنا آپ ظاہر نہیں کرے گا اور اسے اگلی اور پچھلی نسلوں کے سامنے رسوا کرے گا''

ان تمام احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں حسب اور نسب کس قدر اہمیت کے حامل ہیں اور ان کا انکار کرنا یا ان میں اختلاط کرنا موجب عذاب اور اللہ کے قہر کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ کلوننگ کے عمل میں ان حسبی اور نسبی رشتوں کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا کیونکہ کلوننگ کا مقصد ایسے انسان پیدا کرنا ہوتا ہے جو ذہانت، طاقت، صحت اور خوبصورتی میں ممتاز ہوں۔ پس اس مقصد کیلئے ایسے افراد (مرد و عورت) چنے جائیں گے جن میں یہ خصوصیات بدرجہ اتم پائی جاتی ہوں اور اس بات کو نظر انداز کیا جائے گا کہ وہ شادی شدہ جوڑے ہیں یا نہیں۔ پس عام خلیے مخصوص مرد یا عورت سے لئے جائیں گے اور مخصوص عورتوں میں بڑھوتری کیلئے جمائے (implant کئے) جائیں گے جو خونی رشتوں کے اختلاط اور نسل کے ضائع ہونے کا موجب ہوگا اور اسی لئے یہ عمل شریعت کی رو سے حرام ہے۔

۴) **<u>دیگر شرعی احکامات کا زائل ہونا:</u>**

کلوننگ کے ذریعے بچوں کی پیدائش، بے شمار شرعی احکامات کے ترک کا باعث بنتی ہے۔ ان میں شادی، بیوی، نان نفقہ، ولدیت، فرزندی، وراثت، تحویل، محارم اور عصبہ سمیت بہت سے دیگر احکام شامل ہیں۔ یہ ایک عملِ شر ہے جو نہ صرف معاشرے کی ساخت تبدیل کر کے رکھ دے گا بلکہ اس کی وجہ سے بے شمار اسلامی احکامات پر عمل متروک ہو جائیگا۔ اس لئے بھی انسانی کلوننگ شرعی نقطہ نگاہ سے حرام اور ممنوع ہے۔

نسل انسانی کا بڑھانا انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ نر کے مادہ منویہ (Sperm) اور عورت کے بیضہ (Egg) کے اختلاط اور زرخیزی (Fertilization) کے طریقے سے نسل انسانی کی افزائش ہی دراصل وہ جائز طریقہ کار ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت میں ودیعت کیا ہوا ہے۔ نیز اللہ کا قانون اس بارے میں یہ ہے کہ

ایک جائز شرعی معاہدے یعنی نکاح کے بغیر یہ عمل نہیں کیا جاسکتا۔ کلوننگ کے ذریعے افزائش نسل فطری طریقہ نہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ یہ عمل کسی قسم کے شادی کے معاہدے کے بغیر سرانجام دیا جاتا ہے جو مرد اور عورت کو آپس میں ایک بندھن میں باندھ سکے۔

یہاں یہ سوال بھی ذہن میں اٹھ سکتا ہے کہ اگر کلوننگ کا عمل درست نہیں تو پھر اللہ نے ہمیں ایسے غلط عمل کرنے کی قدرت ہی کیوں دی؟ نیز یہ بھی، کہ اللہ ہی تھا جس نے اس عمل کے ذریعے ایک انسانی جان دنیا میں بھیجنے کا اہتمام کیا تو پھر یہ عمل کیونکر حرام اور مردود ہو گیا؟ ہم جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بغیر نکاح کے مرد و عورت کے ملاپ کو حرام قرار دیا ہے گو کہ ایسا کرنے کی قدرت بھی اللہ ہی نے انسان کو دے رکھی ہے۔ چنانچہ قدرت کا ہونا بذات خود عمل کے درست اور حلال ہونے کی دلیل نہیں بن جاتا۔ اسی طرح زنا کے نتیجے میں بھی انسانی جان اس دنیا میں لائی جاسکتی ہے مگر اسے بھی زنا کو جائز بنانے کے لئے بطور دلیل استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو کلوننگ کے ذریعے انسانی جان کو دنیا میں لانے کی قدرت فراہم کی ہے لیکن ساتھ ساتھ اسے وحی کے ذریعے بتا دیا ہے کہ یہ عمل حرام ہے۔ لہذا اسے اللہ کی اتباع میں اس حرام عمل سے بھی اسی طرح بچنا ہوگا جیسا کہ وہ دیگر حرام افعال سے قدرت رکھنے کے باوجود اجتناب کرتا ہے۔

پودوں اور جانوروں کی کلوننگ کا شرعی حکم:

پودوں اور جانوروں میں کلوننگ کا مقصد اچھی نسل کی زیادہ پیداوار حاصل کرنا اور عام بیماریاں خصوصاً وہ جو مہلک ہوں، کا علاج ڈھونڈنا ہے جس کا بصورت دیگر کیمیائی ادویات سے علاج صحت کیلئے نقصان دہ ہو۔

قرآن میں کئی آیات عمومی انداز میں پودوں، جانوروں اور جو کچھ زمین و آسمان میں موجود تمام اشیاء کے استعمال کو مباح (جائز) قرار دیتی ہیں۔ چنانچہ افعال کے برخلاف شریعت اشیاء کے لئے جو قاعدہ دیتی ہے وہ یہ تمام اشیاء اس وقت تک مباح رہیں گی جب تک کہ ان کی حرمت کی دلیل قرآن وسنت سے نہ مل جائے۔ یہی معاملہ سائنس اور ٹیکنالوجی کا ہے جس کا اپنانا عمومی طور پر مباح ہے الا یہ کہ قرآن وسنت میں اس کے خلاف نہی وارد ہوئی ہو۔ چنانچہ کلوننگ کی یہ سائنسی تحقیق اس وقت تک مباح رہیگی جب تک اس کی حرمت کے لئے قرآن، سنت، اجماع الصحابہ یا قیاس سے دلیل نہ مل جائے۔ شریعت انسانوں کی افزائش نسل کے برخلاف پودوں اور جانوروں میں پیداوار کی بڑھوتری اور ان کی کوالٹی کی بہتری کو منع نہیں کرتی۔ نہ ہی وہ جانوروں اور پودوں کی افزائش کا کوئی مخصوص

طریقہ کار وضع کرتی ہے جس کے برخلاف عمل کرنا حرام ہو۔ چنانچہ پودوں اور جانوروں کی کلوننگ مباحات کے زمرے میں آتی ہے۔ علاوہ ازیں بیماریاں، خصوصاً وہ جو مہلک ہیں، سے بچاؤ کیلئے بھی جانوروں اور پودوں کی کلوننگ اسلام کی رو سے نہ صرف جائز ہے بلکہ یہ ایک مندوب (مستحسن) عمل ہے، کیونکہ بیماری کا علاج کروانا اور علاج کیلئے ادویات تیار کرنا ایک مندوب عمل ہے۔

یہاں میں ضمناً افعال سے متعلق شرعی قاعدے کا بھی ذکر کرتا چلوں جو کتب فقہیہ میں ''**الاصل فی الافعال تقید بالحکم الشرعی**'' کے عنوان سے ملتا ہے یعنی ''افعال'' کے سلسلے میں اصل یہ ہے کہ حکم شرعی کو تلاش کر کے اس پر عمل درآمد کیا جائے گا۔ چنانچہ یہ غلط فہمی بھی دور کرنے کی ضرورت ہے کہ تمام افعال کا کرنا جائز ہے جب تک قرآن وسنت میں اس کے خلاف کوئی دلیل نہ مل جائے۔ بلکہ ایک فعل اسی وقت کیا جائے گا جب اس کے کرنے کی دلیل ہمیں شریعت سے مل جائے۔ مثلاً آگ کے گرد ساتھ پیرے لگا کر شادی کرنا یا نکاح کے علاوہ شادی کے لئے کوئی بھی طریقہ اختیار کرنا اس لئے جائز نہیں کیونکہ ایسا کرنے کی دلیل ہمیں شریعت سے نہیں ملتی۔

کلوننگ کے مسئلے پر مذکورہ بالا اجتہاد سے واضح ہوا کہ اسلام رہتی دنیا تک کے تمام مسائل کے لئے حل دیتا ہے۔ اسی لئے اسلام زمان ومکاں کی پابندیوں اور قیود سے ماوراء ہے۔ اسلام کی اتباع ہی میں انسانوں کی بھلائی ہے کیونکہ یہ دین ایک ایسی ہستی کا دیا ہوا ہے جو رہتی دنیا تک کی ہر تفصیل اور امکان سے بخوبی واقف ہے جبکہ انسانی عقل پر مبنی سیکولرزم اور جمہوریت کے اصول انسان کے مسائل کو حل کرنے کی بجائے اسے مزید الجھانے کا باعث بنتے ہیں جس کی واضح مثال مغربی معاشرے کی شکل میں ہم دیکھ سکتے ہیں۔ چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم قرآن و سنت ہی سے بذریعہ اجتہاد تمام احکامات اخذ کریں تاکہ انسانیت کو سرمایہ دارانہ نظام کے ظلم سے نکالا جا سکے۔

اجتہادی اختلاف کن مسائل میں ہوسکتا ہے اور کن مسائل میں اختلاف کرنے سے انسان اسلام کے دائرے سے باہر نکل جاتا ہے؟

جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اجتہاد صرف انہی مسائل میں ہوسکتا ہے جن میں قرآن اور سنت سے ملنے والے دلائل غیر قطعی ہوں۔ ان دلائل کو ظنی دلائل بھی کہا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ قرآنی آیات یا متواتر احادیث جو ایک سے زائد معنی پر دلالت کرتی ہیں ظنی دلائل کہلاتی ہیں۔ نیز تمام احاد احادیث (جو کہ روایت کے لحاظ سے متواتر کے درجے تک نہیں پہنچتیں) بھی ظنی دلائل کے زمرے میں آتی ہیں۔ ظنی دلائل سے اخذ شدہ احکامات میں مجتہدین

میں اختلاف ہوسکتا ہے کیونکہ ان دلائل میں نص ازخود ایک سے زائد معنی پر دلالت کرسکتی ہے۔ اسی طرح احد احادیث کی اسناد کو قبول یا مسترد کرنے کے حوالے سے بھی مجتہدین میں اختلاف پایا جاسکتا ہے۔ بالفاظ دیگر اگر کسی مسئلے کے بارے میں وارد شدہ آیات اور احادیث غیر قطعی (ظنی) ہیں تو اس مسئلے میں مجتہدین غالب ظن کی بنیاد پر اللہ کے حکم تک رسائی حاصل کرنے کے لئے کوشش ومحنت کرتے ہیں۔ اسی کو اجتہاد کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان مسائل میں مختلف مجتہدین مختلف نتائج یا احکامات تک پہنچ سکتے ہیں اور شریعت اس اجتہادی اختلاف کی اجازت دیتی ہے۔ مثلاً قرآن میں وارد ہوا ہے کہ ﴿يَتَرَ بَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ (البقرۃ:228)'' اور (مطلقہ عورتیں) روکے رکھیں اپنے آپ کو تین قروء تک''۔ یہاں لفظ ''قروء'' کو عرابی قوائد وضوابط کے مطابق حیض یا طُھر (جب عورت پاک ہوتی ہے) دونوں کے معنی میں لیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ یہ جاننے کے لیے کہ لفظِ ''قروء'' سے شارع (اللہ تعالیٰ) کی مراد ''حیض'' ہے یا ''طہر''؛ ایک مجتہد اجتہاد کرتا ہے۔ لہذا ایک مجتہد اس قرآنی لفظ کو سمجھنے کے لئے عربی لغت اور اس مسئلے سے متعلقہ احادیث کی بنیاد پر اجتہاد کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں ایک مخصوص رائے تک پہنچتا ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے مطابق اس آیت میں ''قروء'' سے مراد حیض ہے جبکہ امام شافعیؒ کے اجتہاد کے مطابق یہاں ''قروء'' طہر کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ عربی زبان میں ''قروء'' کے یہی دو مطلب نکل سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک مجتہد محض اپنی مرضی سے ''قروء'' کے معنی پیش نہیں کرسکتا بلکہ اسے عربی کے قوائد اور گرائمر کے مطابق دلیل پیش کرنی ہوتی ہے۔ جبکہ آج کے دور کے مستشرق یا روشن خیال مسلمان اجتہاد کا نام استعمال کرکے اسلام کو موم کی ناک بنادینا چاہتے ہیں جسے وہ اپنی مرضی کے تحت جس رخ پر چاہیں موڑ سکیں۔

دوسری طرف وہ تمام آیات اور متواتر احادیث جن کا ایک ہی مطلب ہے اور ان کے ایک سے زیادہ معنی نہیں نکل سکتے ''قطعی دلائل'' کہلاتے ہیں۔ چنانچہ وہ مسائل جن سے متعلق وارد ہونے والے دلائل قطعی ہوں ان میں کسی قسم کے اجتہاد یا اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی کیونکہ نصوص واضح ہونے کی وجہ سے یہ ایک سے زیادہ مطالب کے متحمل نہیں ہوتے۔ مثال کے طور پر قرآن کی یہ آیت کہ ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ ''تم پر مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام کا ذبیحہ حرام کردیا گیا ہے۔'' معنی کے لحاظ سے قطعی ہے۔ یعنی مردار، خون، خنزیر وغیرہ قطعی طور پر حرام ہیں اور یہی وجہ ہے کہ کسی بھی مکاتب فکر کے فقہاء میں اس پر کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں۔ چنانچہ ان احکام کا انکار کرنا جو قطعی دلائل سے ثابت ہوں یا ان کا نام نہاد اجتہاد کے ذریعے کوئی اور مطلب اور مفہوم گھڑنا؛ کفر ہے۔ قادیانی حضرات کے کافر ہونے کی وجہ صرف اتنی تھی کہ انہوں نے

ایک ایسے مسئلے میں اختلاف اور تاویل پیش کی جو کہ قطعی تھا یعنی رسول اللہ ﷺ کی ختم نبوت پر۔ چنانچہ ہر اس حکم کا انکار انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے جو کہ قطعی دلیل پر مبنی ہو، خواہ اس حکم کا تعلق عقائد سے ہو یا عبادات سے، معاملات سے ہو یا عقوبات سے۔ پس جس طرح اس آیت کا انکار کفر ہے: ﴿وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ﴾ ''نماز قائم کرو'' بالکل اسی طرح مندرجہ ذیل تمام آیات سے نکلنے والے احکامات کا انکار بھی کفر ہے:

﴿اَحَلَّ اللّٰہُ الۡبَیۡعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ (البقرہ:۲۷۵)

''اللہ نے تجارت کو حلال کر دیا اور سود کو حرام کر دیا۔''

﴿اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقۡطَعُوۡۤا اَیۡدِیَہُمَا﴾ (المائدۃ:۳۸)

''چور خواہ مرد ہو یا عورت، دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔''

یہ بھی ذکر کرتا چلوں کہ مسلمانوں کے تمام مسالک میں فقط اُن احکامات میں اختلاف ہے جو ظنی دلائل پر مبنی ہیں۔ اسلام اس اجتہادی اختلاف کی اجازت دیتا ہے۔ اجتہادی اصولوں کے تحت ہونے والی فکری بحث امت میں مثبت فکر کو جنم دیتی ہے۔ نتیجتاً امت میں تربیت یافتہ مجتہدین کی کھیپ تیار ہوتی ہے جو انسانی زندگی سے متعلق نئے پیش آنے والے مسائل کے شرعی حل قرآن وسنت سے اخذ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں جس کی بدولت امت جمود کا شکار نہیں ہوتی اور ترقی کی راہ پر گامزن رہتی ہے۔

اجتہادی اختلاف کی اجازت کی سنت نبوی ﷺ سے دلیل:

صحابہ رسول اللہ ﷺ کے وقت میں اجتہاد کیا کرتے تھے اور ان کی رائے میں اختلاف بھی پایا جاتا تھا۔ یہ اجتہادی اختلاف رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا اور آپ ﷺ نے اس پر کسی کی ملامت نہ فرمائی۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے: ((**قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یوم الأحذاب لا یصلین أحد العصر إلا فی بنی قریظة فأدرک بعضهم العصر فی الطریق فقال بعضهم لا نصلی حتی نأتیها وقال بعضهم بل نصلی لم یرد منا ذلک فذکر ذلک للنبی صلی اللہ علیہ وسلم فلم یعنف واحدا منهم**)) (بخاری) ''غزوہ احزاب (کے اختتام والے) دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی بھی نماز عصر نہ پڑھے سوائے بنو قریظہ پہنچ کر۔ بعض حضرات کی عصر کی نماز کا وقت راستے ہی میں ہو گیا۔ ان میں سے کچھ (صحابہؓ) نے تو

کہا کہ ہم (راستے میں) نماز نہیں پڑھیں گے جب تک (بنی قریظہ) پہنچ نہ جائیں۔ بعض (صحابہؓ) نے کہا بلکہ ہم (نماز) پڑھیں گے کیونکہ (رسول اللہ ﷺ کے) اس فرمان سے یہ مراد نہ تھی (بلکہ اس حکم سے محض عجلت مطلوب تھی)۔ پھر جب نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے دونوں میں سے کسی گروہ کی سرزنش نہیں فرمائی۔'' اس حدیث سے واضح ہوا کہ صحابہ کی ایک جماعت نے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کے منطوق (لفظی معنی) پر عمل کیا اور دوسرے گروہ نے مفہوم پر اور آپ ﷺ نے کسی کی بھی سرزنش نہیں فرمائی کیونکہ آپ ﷺ کے فرمان کے یہ دونوں معنی سمجھے جاسکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ تابعین اور تبع تابعین نے کبھی بھی اجتہادی اختلاف کی بنیاد پر کسی مجتہد کی ملامت کی اور نہ ہی کفر کا فتویٰ لگایا۔ ہاں جنہوں نے قطعی احکامات میں اختلاف کیا ان پر مرتد ہونے کی وجہ سے ریاست نے قتل کی حد جاری کی۔ پس اسلامی معاشرہ ترقی کی منازل طے کرتا رہا یہاں تک ساتویں صدی ہجری میں پچھلے اجتہادات کو تمام آنے والے نئے مسائل کے لئے کافی سمجھاتے ہوئے اجتہاد کے عمل کو روک دیا گیا۔ مزید برآں عثمانی خلافت کے دور میں عربی زبان کی کماحقہ سرپرستی نہ ہونے کے باعث امت فصیح عربی زبان اور لغت میں کمزور ہوگئی جس کے نتیجے میں اجتہاد میں بھی کمزوری رونما ہوئی۔ نتیجتاً تقلید ہر سو پھیل گئی۔ نئے ابھرنے والے مسائل پر اجتہاد کے ذریعے اللہ کے احکامات اخذ نہ کرنے کی وجہ سے عوام الناس تذبذب اور فکری انتشار کا شکار ہوگئے۔ عوام کو یہ تک پتہ نہ تھا کہ پرنٹنگ پریس پر قرآن چھاپنا جائز ہے یا نہیں؟ کیا کافروں سے سائنس اور ٹیکنالوجی اخذ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ یوں مسلمانوں کے فکری انحطاط کے دور کا آغاز ہوا۔ مغرب اور اس کے تھنک ٹینک یہ جانتے ہیں کہ مسلمان دوبارہ اسلام کی طرف مائل ہو رہے ہیں چنانچہ یہ مغربی ادارے اور مسلمانوں میں موجود ان کے فکری گماشتے اجتہاد کے بارے میں غلط تصورات عوام میں پھیلانے میں مصروف ہیں۔ لہذا اب امت کو فکری انحطاط اور کنفیوژن سے نکالنے کیلئے اجتہاد کو اپنے درست مفہوم میں دوبارہ شروع کرنے کی اشد ضرورت ہے تاکہ مسلمان ہر مسئلے کے بارے میں شارع کے حکم پر چل کر اس دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل کرسکیں۔

یہ کیسے معلوم ہو کہ کون سا اجتہاد قطعی طور پر درست ہے؟ نیز کس مجتہد کے اجتہاد کی تقلید کی جائے؟

یہ سوال کہ ظنی مسائل میں مختلف اجتہادات میں سے قطعی طور پر صحیح اجتہاد کس کا ہے، اس کا قطعی فیصلہ اللہ تعالیٰ آخرت کے دن کرینگے۔ حضور ﷺ نے مجتہد کے بارے میں فرمایا: ((**إذا حكم الحاكم فاجتهد ثم أصاب فله أجران و إذا حكم فاجتهد ثم أخطأ فله أجر**)) (**بخاری و مسلم**) ''جب حاکم کوئی فیصلہ اپنے اجتہاد سے کرے اور فیصلہ صحیح ہو تو اسے دہرا ثواب ملتا ہے اور جب کسی فیصلہ میں اجتہاد کرے، اور غلطی کر جائے تو

اسے (ایک) ثواب ملتا ہے (اجتہاد کا)۔'' لہذا اگر ایک مجتہد اجتہاد کرتا ہے اور وہ صحیح حکم تک پہنچتا ہے تو اس کو دو اجر ملیں گے۔ یعنی ایک محنت کرنے کا اور دوسرا صحیح حکم تک پہنچنے کا۔ اور اگر وہ اجتہاد کرتا ہے اور غلط حکم تک پہنچتا ہے تو اسے ایک اجر ملے گا، یعنی محنت کرنے کا۔ جہاں تک اس دنیا کا تعلق ہے تو اس میں اللہ نے ہم پر یہ ذمہ داری لگائی ہے کہ ہم اپنی بساط بھر کوشش کر کے اس حکم کی اتباع کریں جس کی شرعی دلیل زیادہ مضبوط اور قوی معلوم ہو۔ لہذا ایک مسلمان محض غالب ظن (Least amount of Doubt) کی بنیاد پر اپنے یا کسی دوسرے کے اجتہاد پر عمل کرنے کا ذمہ دار ہے۔ چنانچہ اگر ایک شخص ایک مسئلے میں امام ابوحنیفہؒ کے اجتہاد کو صحیح سمجھ کر اس پر چلتا ہے جبکہ دوسرا شخص امام شافعیؒ کے اجتہاد کو زیادہ قوی سمجھ کر اس پر کاربند ہے تو دونوں اللہ کے نزدیک قابل قبول ہیں کیونکہ دونوں اجتہاد کے اصولوں پر پورا اترنے کے باعث قابل تقلید ہیں۔ اس کی دلیل ہمیں بنوقریظہ کی مذکورہ بالا حدیث سے ملتی ہے جس میں صحابہؓ نے دو مختلف اجتہادات کی اتباع کی اور دونوں کو رسول اللہ ﷺ نے قبول فرمایا کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے یہ دونوں معنی نکل سکتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم ایک مجتہد کے اجتہاد کو قطعی طور پر درست اور دیگر کو قطعی طور پر غلط نہیں کہہ سکتے۔ لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ رائے اجتہاد کے متعین اصولوں پر پوری اترتی ہو۔ (یاد رہے کہ آمنہ ودود اور اسراء نعمانی کی اپنی خواہشات یا مرضی کے مطابق قرآنی تفسیر کا نام اجتہاد نہیں کیونکہ ان کی آراء اجتہاد کے اصولوں کے تحت اخذ نہیں کی گئیں اور نہ ہی یہ دونوں خواتین مجتہد کے مطلوبہ شرائط کو پورا کرتی ہیں)۔ پس ایک شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ اس کی نظر میں ایک اجتہاد زیادہ قوی ہے اور دوسرا کمزور۔ امام شافعیؒ سے ایک قول منقول ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ میرا اجتہاد درست ہے اور دیگر کا غلط لیکن اس امکان کے ساتھ کہ ان کا اجتہاد درست ہو سکتا ہے اور میرا غلط۔ تقلید سے متعلق یہ بنیادی سمجھ ہی تفرقہ بازی اور دیگر مکاتب اسلام سے بغض کو زائل کرتی ہے کیونکہ دیگر مکاتب فکر بھی دلائل کی بنیاد پر ایک شرعی مسئلے پر کاربند ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرون اولیٰ کے مسلمان نے کبھی بھی فقہی اختلاف کو بنیاد بنا کر جنگ و جدل نہیں کی بلکہ ہمیں تاریخ سے مختلف مکاتب فکر کے درمیان بیشمار مثبت فکری اور فقہی مباحث ملتے ہیں جن کے نتیجے میں کئی مواقع پر مجتہدین نے اپنے اجتہادات سے رجوع کر کے قوی دلیل پر مبنی اجتہاد کو اختیار کیا۔ نیز حاضرین مجلس کو بھی اپنے فقہی علم میں اضافہ کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر مکاتب فکر کے دلائل سمجھنے کا موقع ملتا۔ چنانچہ مختلف مکاتب فکر میں ایک دوسرے کے لئے احترام پیدا ہوتا اور معاشرے میں ہم آہنگی کی فضاء جنم لیتی تھی۔

اگر ایک مسلمان کے پاس دلیل سمجھنے یا جانچنے کی صلاحیت نہ ہو تو اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی سمجھ کے

مطابق سب سے زیادہ قابل مجتہد کے تلاش کردہ احکامات کی اتباع کرے۔ یہاں یہ کہنا بھی ضروری ہے کہ ایسا کرنے میں ایک مقلد اس مجتہد کی اتباع نہیں کر رہا ہوتا بلکہ وہ محض اس سے اللہ کے دئے ہوئے احکامات معلوم کر رہا ہوتا ہے کیونکہ اس کے پاس ازخود اللہ کے ان احکامات کو اخذ کرنے کی استطاعت نہیں ہوتی۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿فَسْـَٔلُوٓا أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لاَ تَعلَمُوْنَ﴾ (النحل: 43) ''سو پوچھ لو اہل ذکر (اہل علم) سے اگر تم نہیں جانتے''۔ چنانچہ تمام وہ لوگ جو ازخود اجتہاد کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے کسی بھی مجتہد کی تقلید کر سکتے ہیں۔ جن کے بارے میں انھیں یقین ہو کہ وہ ان کے مسائل کی حقیقت کو مکمل طور پر سمجھ کر اسلام کے شرعی نصوص (مثلاً قرآن، سنت، اجماع الصحابہ اور قیاس) سے قواعد شرعیہ کے مطابق انھیں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حکم بتانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ تاہم عقیدے میں تقلید کی کوئی گنجائش نہیں کیونکہ قرآن میں عقیدے میں تقلید کی واضح نہی وارد ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِذا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَآ أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ أَلفَيْنَا عَلَيْهِ ا‌ٰبَآءَ نَآ، أَوَلَوْ كَانَ ا‌ٰبَآؤُ هُمْ لاَ يَعْقِلُوْنَ شَيْئاً وَ لاَ يَهْتَدُوْنَ﴾ (البقرة: 170) ''اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس کی اتباع کرو جو اللہ نے نازل کیا، تو کہتے ہیں بلکہ ہم اس طریقے کی اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء کو پایا۔ اگرچہ ان کے آباء ہی کچھ نہ سمجھتے ہوں اور نہ راہ ہدایت پر ہوں؟''۔ مزید برآں مقلدین کو چاہیے کہ وہ قرآن، سنت اور قواعد شرعیہ میں اپنا علم مسلسل بڑھاتے رہیں تاکہ وہ مختلف مجتہدین کے اجتہادات کے شرعی دلائل کو جانچنے کی استعداد بڑھا سکیں اور بالآخر خود مجتہد کے درجے تک رسائی حاصل کر سکیں۔

اجتماعی مسائل میں کس کا اجتہاد نافذ کیا جائے؟

جہاں تک انفرادی عبادات مثلاً نماز، روزہ، اور طہارت وغیرہ کے مسائل کا تعلق ہے اس میں ہر شخص اپنے یا کسی دوسرے کے اجتہاد کو قوت دلیل کی بنیاد پر اخذ کر سکتا ہے۔ لیکن جہاں تک اجتماعی مسائل کا تعلق ہے مثلاً زکاۃ، عشر اور خراج اور دیگر محصولات اکھٹے کرنے اور تقسیم سے متعلق شرعی احکامات، رمضان کی شروعات، اقتصادی نظام، عدالتی نظام، تعلیمی پالیسی، حکومتی نظام، معاشرتی نظام، ریاستی خارجہ پالیسی وغیرہ تو ان میں معاشرے کی ہم آہنگی اور یگانگت کے لئے ضروری ہوتا کہ ایک ہی مستند اجتہاد کو نافذ کیا جائے۔ ان مسائل میں عامۃ الناس کا فرداً فرداً اپنی مرضی کے اجتہادات پر چلنا انتشار اور کنفیوژن کا باعث بنے گا۔ ان تمام مسائل میں مختلف اجتہادات میں سے ایک رائے کو نافذ کرنے کا طریقہ بھی ہمیں اسلام ہی دیتا ہے۔ اس کی تفصیل درجہ ذیل ہے:

آج مغربی معاشرے میں بھی اسقاط حمل سے لے کر کلوننگ تک بے شمار مسائل میں مختلف آراء پائی جاتی ہیں لیکن یہ ان کے انتشار کا باعث نہیں ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جمہوری نظام میں ایک مسئلے پر موجود مختلف آراء(difference of opinion) میں سے ایک رائے کو نافذ کرنے کا ایک اپنا طریقہ کار ہے جو اسلام سے مختلف ہے۔ یہ طریقہ عوامی نمائندوں کی اکثریتِ رائے کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اسلام میں بھی اجتہادی اختلاف کی گنجائش ہے اور ان مختلف اجتہادات میں سے کون سا اجتہاد نافذ العمل ہو اس کے بارے میں اسلام کا اپنا ایک مخصوص طریقہ کار ہے۔ اسلام میں خلیفہ ہی وہ اتھارٹی ہے جو مختلف اجتہادات میں سے ایک اجتہاد کو قوت دلیل کی بنیاد پر نافذ کرتا ہے جس پر عملدرآمد تمام مسلمانوں کے لئے واجب ہوتا ہے۔ گوکہ عوام اس میں اس کی معاونت کرنے اور مشورہ دینے کے مجاز ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾ (النساء: 59) ''اے ایمان والو! اللہ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولوالامر (حکمرانوں) کی بھی۔'' خلیفہ عبادات، ذاتی معاملات اور عقائد کی فروعی تفصیلات میں کوئی مخصوص اجتہاد نافذ نہیں کریگا اور لوگوں کو اجازت ہوگی کہ وہ کسی بھی مجتہد کی تقلید کریں۔ وہ محض ان مسائل میں ایک اجتہاد کو نافذ کرے گا جن کا تعلق اجتماعی معاملات اور نظام سے ہے مثلاً جہاد کب اور کس کے خلاف کیا جائے، خراج، اقتصادی نظام، تعلیمی پالیسی وغیرہ۔ نیز وہ جس رائے کو اختیار کرنے کے بعد لاگو کریگا اس پر تمام مکاتب فکر محض اس لئے عمل کریں گے کیونکہ اس منتخب کردہ خلیفہ کی اطاعت مندرجہ بالا آیت اور دیگر احادیث کی وجہ سے فرض ہے۔ اس دوران عوام اور دیگر مجتہدین اپنی اپنی رائے پر قائم رہ سکتے ہیں، اس کی تعلیم و ترویج کر سکتے ہیں اور خلیفہ کو اپنی رائے اپنانے کے لئے مشورہ بھی دے سکتے ہیں۔ لیکن ان اجتماعی مسائل میں پوری امت کو خلیفہ کے اپنائے گئے اجتہاد ہی پر عمل کرنا ہوگا کیونکہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ اسی طرح معاشرے اور ریاست کا نظم و نسق بغیر انتشار کے چلایا جا سکتا ہے۔ مشہور فقہی قاعدہ ہے: **امر الامام یرفع الخلاف** ''امام (خلیفہ) کا حکم اختلاف کو ختم کرتا ہے'' اور **أمر الامام نافذ ظاهراً و باطناً** ''امام کا حکم ظاہراً اور باطناً نافذ کیا جاتا ہے''۔ اسی اصول کے تحت ابوبکرؓ نے اپنی خلافت کے دوران صحابہؓ کی اکثریتی رائے کو مسترد کرتے ہوئے اپنی رائے کو نافذ کیا اور مرتدین زکاۃ، جھوٹی نبوت کے دعوے داروں اور رومیوں کے خلاف ایک ساتھ لشکر کشی فرمائی۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے عراق کے مفتوحہ علاقوں پر خراج نافذ کرنے کے اپنے اجتہاد کو نافذ فرمایا اگرچہ حضرت بلالؓ اور اکابر صحابہؓ کا اجتہاد ان سے مختلف تھا۔ نیز جب ابو بکرؓ خلیفہ تھے تو انہوں نے طلاق، وراثت اور اموال کی تقسیم میں اپنے اجتہادات کو نفاذ کیا جبکہ حضرت عمرؓ نے اپنے دور

خلافت میں انہی مسائل پر مختلف اجتہادات کو لاگو فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے اس طریقہ کار پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہے جو ہمارے لئے شرعی دلیل ہے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ اجتہادی اختلاف حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کی خلافت کے دوران بھی رہا لیکن اس نے امت میں تفرقہ یا انتشار پیدا نہیں کیا کیونکہ امت کو اپنے اجتہادی اختلافات حل (resolve) کرنے کا طریقہ آتا تھا۔ آج خلیفہ کی عدم موجودگی کی وجہ سے مسلمانوں کے درمیان فقہی اختلافات میں سے ایک رائے کو نافذ کرنا ممکن نہیں۔ اس خلاء کو پر کرنے کے لئے موجودہ حکومتیں ''اجتماعی اجتہاد'' جیسی قلابازیاں لگا رہی ہیں۔ نیز اس ''اجتماعی اجتہاد'' کی آڑ میں اسمبلیوں میں ہونے والی قانون سازی کو بھی شرعی حیثیت دلانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اب آتے ہیں امت میں اجتہاد کے بارے میں پھیلائے جانے والے باطل افکار کی طرف۔ ان تمام افکار کو ہم قرآن وسنت کی کسوٹی پر پرکھیں گے اور دیکھیں گے کہ آیا شریعت میں اجتہاد کے یہ مطالب اور مفاہیم لئے جاسکتے ہیں یا نہیں؟

1) کیا اجتہاد ان امور میں کیا جاتا ہے جن کے بارے میں شریعت خاموش ہو؟

یہ سوچ کہ قرآن وسنت کسی انسانی مسئلے کے بارے میں خاموش ہیں ایک فاش غلطی ہے بلکہ ایسا سمجھنا اسلام کو نامکمل گردانے کے مترادف ہے جس کی سیکولر حضرات سرتوڑ کوشش کررہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا: ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيٰنًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (سورة النحل: 89) ''اور ہم نے یہ کتاب تم پر نازل کر دی ہے جو **ہر چیز** کی صاف صاف وضاحت کرنے والی ہے''۔ ﴿مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ﴾ (سورة الأنعام: 38) ''ہم نے اس کتاب میں کوئی کسر نہیں چھوڑی''۔ ﴿اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِيْنًا﴾ (سورة المائدة: 3) ''آج میں نے تمہارے **دین کو تمہارے لئے مکمل کردیا** ہے اور اپنی نعمت تم پر تمام کردی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو تمہارے دین کی حیثیت سے قبول کرلیا ہے''۔ چنانچہ شریعت میں ہر فعل کے لیے یا تو قرآن وحدیث سے نص موجود ہے یا قرآن وحدیث میں ایسا اشارہ موجود ہے جو اس فعل کے مقصد اور علت کو بیان کرتا ہے تاکہ اس کا اطلاق ہر اُس فعل پر کیا جاسکے، جس میں یہ علت موجود ہو۔ شرعاً یہ ممکن نہیں کہ انسان کے کسی فعل کی کوئی دلیل موجود نہ ہو، یا کم از کم اس کے حکم پر دلالت کرنے کے لیے اشارہ نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد عام ہے: ﴿تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ ''ہر چیز کو صاف صاف بیان کرنے

والی۔'' لہذا قادر مطلق نے قیامت تک پیش آنے والے تمام انسانی مسائل کے لیے احکامات اور حل عطا کر دئے ہیں اور ہمارے ذمے محض ان احکام کا استنباط ہے۔ نیز یہ اللہ کے علم میں تھا کہ رہتی دنیا تک کیا حالات و واقعات پیش آنے والے ہیں اور اس کے لیے یہ قطعاً مشکل نہیں کہ وہ ایسے احکامات اور اصول پیش کر دے جو رہتی دنیا تک تمام لوگوں کے مسائل حل کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ اگر انسان کا پیش کردہ جمہوری نظام جو کہ اسلام سے کہیں قدیم ہے زمان و مکان کی قیود کو پھلاند کر آج بھی لاگو ہو سکتا ہے تو پھر آخر کیا وجہ ہے کہ خالق کائنات ایسا نظام نہ دے سکے جو زمان و مکاں کی پابندیوں سے ماوراء ہو۔

2) کیا اجتہاد صرف ان نئے مسائل میں کیا جاتا ہے جن کا وجود دور نبوی ﷺ میں نہ تھا؟

یہ بھی ایک غلط سوچ ہے کہ اجتہاد محض نئے افعال یا نئی اشیاء کے بارے میں کیا جاتا ہے۔ مسئلے کلوننگ کی طرح جدید ہوں یا نماز، روزے، حج اور زکاۃ کی طرح صدیوں قدیم؛ ان تمام کے لئے اللہ نے قرآن اور سنت میں احکامات وارد فرما دئے ہیں۔ اور ان احکامات کو نصوص سے اخذ کرنے کے طریقہ کار کو اجتہاد کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نماز اور روزے جیسے مسائل پر مجتہدین نے اجتہاد کے ذریعے تفصیلی احکامات اخذ کئے گو کہ مسلمان یہ مناسک رسول اللہ ﷺ کے دور سے ادا کرتے چلے آ رہے تھے اور انہیں کوئی بھی نیا یا جدید مسئلہ نہیں کہہ سکتا۔ لہذا آج پاکستان میں رہنے والے مسلمان زیادہ تر امام ابوحنیفہؒ کے اجتہاد کے مطابق نماز، روزہ، حج، زکاۃ، وغیرہ ادا کرتے ہیں جبکہ مصر کے مسلمانوں کی اکثریت امام شافعیؒ کی مقلّد ہے۔ اسی طرح مسلمان صدیوں سے قاضی ابو یوسفؒ اور ابو عبیدؒ کے اجتہادات کو معاشی نظام کے طور پر نافذ کرتے رہے ہیں جو آج بھی قابل نفاذ ہیں۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ اجتہاد وہ شرعی طریقہ کار (legal process) ہے جس کے ذریعے تمام مسائل کے لئے شرعی احکامات نصوص سے اخذ کئے جاتے ہیں چاہے یہ مسائل جدید ہوں یا قدیم۔

3) کیا وقت گزرنے کی وجہ سے انسان اور معاشرے میں ارتقاء رونما ہوتا ہے جس کی وجہ سے آج کے دور کے لئے نئے اجتہاد کی ضرورت ہے۔ کیا پرانے اجتہادات فرسودہ اور نا قابل عمل ہو گئے ہیں؟

گزشتہ صدی میں اشتراکیت کے داعیوں نے ارتقاء کے فلسفے کی بڑی شد و مد سے تشہیر کی یہاں تک کہ مسلم مفکرین بھی اس سوچ سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ اللہ کے احکامات چودہ سو سال پہلے کے زمانے کے لئے تو بہت اچھے تھے لیکن چونکہ انسان اور معاشرے نے ارتقاء کی کئی منزلیں پھاند لی ہیں اس لئے ہمیں

بھی اسلامی احکامات میں ''ریفارم'' لانا ہوگا۔ لہذا وقت کے بدلنے اور انسانی ارتقاء کا واویلہ مچا کر ہمیں تلقین کی جاتی ہے کہ اب اللہ کے احکامات بعینہ جیسے وہ نازل ہوئے تھے نافذ نہیں کئے جاسکتے اس لئے ان میں ''تبدیلی'' یا ''بہتری'' لانے کے لئے اجتہاد کا سہارا لینا ہوگا۔ اس بحث کی تہہ تک پہنچنے کے لئے ہمیں دو پہلوؤں کا بغور جائزہ لینا ہوگا۔ اولاً یہ کہ اللہ کے احکامات کا ہدف کیا ہے؟ دوئم یہ کہ وقت گزرنے کے ساتھ آخر کیا چیز بدلتی ہے؟

<u>وحی کا ہدف - انسانی تعلقات کی تنظیم:</u>

بے شک قرآن اور سنت میں کائنات اور سائنس کے چند اصولوں اور قوانین کا ذکر موجود ہے لیکن قرآن کا مقصد انسان کو سائنس پڑھانا نہیں۔ وحی کا ہدف انسانی تعلقات کو درست انداز میں منظّم کرنا ہے تاکہ انسان ظلمت سے نکل کر نور میں داخل ہو اور اس کی دنیا اور آخرت دونوں سنور جائیں۔ اسلام کے احکامات انسان کے تمام تعلقات کو بدرجہ اتم منظّم کرتے ہیں۔ یہ انسانی تعلقات تین طرح کے ہیں۔ انسان کا اپنے ساتھ تعلق، انسان کا دوسرے انسانوں کے ساتھ تعلق اور انسان کا اپنے خالق کے ساتھ تعلق۔ کھانا پینا، لباس، طہارت، صفائی ستھرائی وغیرہ سے متعلق احکامات انسان کے اپنے ساتھ تعلق کو منظّم کرتے ہیں۔ اسی طرح معاشی نظام، عدالتی نظام، حکومتی نظام، خارجہ پالیسی وغیرہ سے متعلق اسلامی احکامات انسان کے تعلقات کو دنیا کے دیگر انسانوں کے ساتھ احسن طریقے سے استوار کرتے ہیں۔ جبکہ نماز، روزہ، حج، زکاۃ، الغرض تمام عبادات انسان کا اپنے خالق کے ساتھ رشتہ و تعلق استوار کرتی ہیں۔ آیئے اب اس بات کا جائزہ لیں کہ آیا یہ تعلقات جنہیں استوار کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں احکامات دئے ہیں تبدیل ہوتے ہیں یا نہیں؟ اس کا دارومدار اس تحقیق پر ہے کہ آیا انسان اور خالق جو کہ ان تینوں تعلقات کی اکائی ہیں وقت گزرنے کے ساتھ تبدیل ہونگے یا نہیں؟

<u>وقت گزرنے کے ساتھ انسانی فطرت تبدیل ہوتی ہے اور نہ ہی خالق:</u>

وقت گزرنے سے انسان بحیثیت انسان تبدیل نہیں ہوتا۔ آج سے چودہ سو سال قبل کے انسان کی بھی وہی بنیادی ضروریات تھیں جو آج کے انسان کی ہیں۔ آج کا انسان بھی کھانے پینے، جاگنے سونے، سانس لینے جیسی حاجاتِ عضویہ کو پورا کئے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا جیسا کہ صدیوں قدیم شخص ان ضروریات کو پورا کرنے کے لئے مجبور تھا۔ اسی طرح زر، زمین اور زن کی چاہت، جاہ و حشمت کی خواہش، امن و تحفظ کے لئے تگ و دو وغیرہ انسان میں موجود مخصوص جبلتوں کے مظاہر ہیں۔ انسانی جبلتیں نہ کبھی بدلی ہیں اور نہ ہی مستقبل میں کبھی تبدیل ہوسکتی ہیں کیونکہ یہ تمام

حاجات عضویہ اور جبلتیں انسان کی ذات کا جزو لاینفک ہیں۔ پوری دنیا میں ہر جگہ کا انسان ایک ہی قسم کی بنیادی خصوصیات (یعنی حاجات عضویہ اور جبلتوں) کا حامل ہے جو اسے کسی بھی دوسری مخلوق (specie) سے ممتاز کرتی ہیں۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ انسان کے یہ خواص کبھی بھی تبدیل نہیں ہوتے اور انسان بحیثیت انسان وہی ہے جو آج سے چودہ سو سال قبل تھا۔ یہ حقیقت بھی سب جانتے ہیں کہ وقت گزرنے کے ساتھ خالق میں بھی کسی قسم کا تغیر یا تبدیلی وقوع پذیر نہیں ہوتی۔ کیونکہ ہر وہ چیز جو تبدیلی یا تغیر پذیر ہوتی ہے وہ ازلی نہیں ہوتی جبکہ خالق ازلی اور ہمیشہ رہنے والی ہستی کا نام ہے۔

انسانی تعلقات اور ان سے متعلق شرعی احکامات وقت گزرنے کے ساتھ تبدیل نہیں ہوتے:

چنانچہ اگر وقت کے گزرنے کے ساتھ نہ انسان بحیثیت انسان تبدیل ہوا اور نہ ہی خالق میں تبدیلی آئی تو پھر انسان کے اپنے ساتھ تعلق، انسان کے دوسرے انسانوں کے ساتھ تعلق اور انسان کے اپنے خالق کے ساتھ تعلق میں تبدیلی کیسے آسکتی ہے؟ اگر ان تعلقات کی اکائیاں (یعنی انسان اور خالق) نہ بدلیں تو پھر یہ لازم آتا ہے کہ ان کے درمیان تعلقات بھی نہیں بدلیں گے۔ پس ثابت ہوا کہ وقت گزرنے کے ساتھ مذکورہ بالا تینوں طرح کے تعلقات میں کوئی تغیر و تبدیلی نہیں آئی۔ اسی طرح ان تعلقات کو منظّم کرنے کے لئے دئے گئے اسلامی احکامات میں بھی کسی قسم کی تبدیلی کی ضرورت نہیں۔ پہلے بھی مرد و عورت کے تعلقات کو منظّم کرنے کے لئے احکامات درکار تھے اور آج بھی نکاح اور زنا سے متعلق اسلامی احکامات قابل عمل ہیں۔ اسی طرح حکمران اور محکوم، بائع اور مشتری، بیٹا اور باپ، بہن اور بھائی وغیرہ جیسے تمام انسانی تعلقات رہتی دنیا تک رہیں گے اور ان کے لئے خالق کے دئے گئے احکامات بھی قیامت تک قابل عمل رہیں گے۔ چنانچہ شراب نوشی، سود خوری، کمار بازی، معصوم شہری کا قتل، زنا، لواطت، جھوٹ، غیر مسلموں کو زبردستی مسلمان بنانا، کافروں کی سرکردگی میں جنگ لڑنا وغیرہ جیسے حرام افعال وقت گزرنے کے ساتھ کبھی بھی حلال نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح نماز کے احکامات ہوں، یا حج، زکاۃ، صوم وغیرہ جیسی عبادات؛ زمان و مکاں کی تبدیلی انسان کے اپنے خالق کے ساتھ تعلق منظّم کرنے کے طریقہ کار میں بھی تغیر و تبدیلی نہیں لاسکتی۔ پس تمام احکامات الٰہیہ میں وقت گزرنے کے ساتھ کسی قسم کی ''بہتری یا ''ریفارم'' کی گنجائش ہے نہ ہی ضرورت کیونکہ یہ محدود انسانی عقل کی پیداوار نہیں ہیں بلکہ یہ خالق العلیم اور الخبیر کے عطا کردہ ہیں جو آج سے چودہ سو سال قبل بھی درست تھے اور آج بھی درست ہیں۔

وقت گزرنے کے ساتھ انسانی تعلقات میں نہیں بلکہ فقط ٹیکنالوجی اور اشیاء میں تبدیلی رونما ہوتی ہیں:

جہاں تک کائنات میں انسان کے علاوہ دیگر اشیاء کا تعلق ہے تو ان میں انسان اپنے علم اور ٹیکنالوجی میں ترقی کی بدولت تبدیلی اور بہتری لاتا ہے۔ نیز انسان ان اشیاء کو محض ان تعلقات کو پورا کرنے کے لئے بطور ذرائع استعمال کرتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ انسان اپنے محسوسات اور تجربات کے ذریعے علم میں اضافہ کرتا ہے اور پھر اس علم کو بروئے کار لاتے ہوئے وہ اپنے اردگرد موجود خام مال (raw material) سے پہلے سے بہتر اشیاء بناتا ہے۔ چنانچہ یہ اشیاء ہی ہیں جو زمان و مکاں کے بدلنے سے عموماً بدلتی ہیں اور اس پر قیاس کر کے کچھ لوگ اس غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ انسان اور اس کے تعلقات بھی بدل گئے ہیں۔ چنانچہ آج سے صدیوں پہلے بھی انسان خرید و فروخت اور تجارت کرتا تھا اور آج بھی وہ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے دیگر انسانوں سے یہ تعلق استوار کرتا ہے۔ صدیوں پرانے انسان کو اگر تجارت کے لئے سفر کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی تو وہ گھوڑے استعمال کرتا جبکہ آج وہ جہاز کے ذریعے سالوں کا سفر گھنٹوں میں طے کرتا ہے۔ چنانچہ وقت گزرنے کے ساتھ اس کی دوسرے انسان کے ساتھ خرید و فروخت یا تجارت کی ضرورت نہیں بدلی بلکہ اس ضرورت اور تعلق کو پورا کرنے کے لئے جو ذرائع استعمال کئے گئے وہ بدل گئے ہیں۔ یعنی گھوڑے کی جگہ ہوائی جہاز نے لے لی۔ یہی وجہ ہے کہ جو احکامات خرید و فروخت کے تعلق کو استوار کرنے کے لئے اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے دئے تھے وہ آج بھی نافذ العمل رہیں گے۔

لہذا وقت گزرنے کے ساتھ جو چیز تبدیل ہوتی ہے وہ علم اور ٹیکنالوجی ہے جس کی وجہ سے اشیاء (finished goods) کی ہیت میں تبدیلی واقع ہوتی ہے۔ اور انسان ان نئی اشیاء کی مدد سے اپنے دائمی تعلقات کو انہی ابدی قوانین کے تحت استوار کرتا ہے جو اللہ نے اسے عطا کئے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ تغیر و تبدیلی انسان میں آتی ہے اور نہ ہی خالق میں بلکہ تغیر و ترقی اشیاء (finished goods) کی ہیت میں آتی ہے۔ یہ بھی واضح رہے کہ اس تبدیلی کو ارتقاء بھی نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ارتقاء کا عمل ترقی کے عمل سے چنداں مختلف ہوتا ہے۔ مزید برآں یہ اشیاء (finished goods) وہ ذرائع ہی ہیں جنہیں استعمال کر کے انسان اپنے تعلقات کو استوار اور ضروریات (خرید و فروخت یا تجارت) کو پورا کرتا ہے لیکن ان اشیاء کی ہیت میں تبدیلی انسانی تعلقات کو نہیں بدلتی بلکہ ان تعلقات کو پورا کرنے کی کیفیت یا انداز (style) بدل جاتے ہیں۔

یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ اسلام نے اشیاء، سائنس اور ٹیکنالوجی کو عمومی طور پر مباح قرار دیا ہے۔ چنانچہ تمام نئی اشیاء اور ٹیکنالوجی مباح ہیں سوائے ان کے جن کے بارے میں قرآن وسنت نے تخصیص کرتے ہوئے انہیں حرام قرار دیا ہو۔ پس ٹینک، جہاز، کمپیوٹر، ٹی وی، ڈش وغیرہ سب حلال ہیں کیونکہ ان کو حرام قرار دینے کے لئے قرآن وسنت میں کوئی نہی وارد نہیں ہوئی۔ اسی طرح نیوٹن، آئن سٹائن اور دیگر سائنسدانوں کے دئے گئے قوانین کو اپنانا جائز ہے سوائے ان سائنسی اصولوں کے جو اسلام کے عطا کردہ اصولوں سے متصادم ہوں مثلاً ڈارون کی انسانی ارتقاء کی تھیوری، انسانی کلوننگ وغیرہ جن کے خلاف قرآن میں آیات موجود ہیں۔ یوں اسلام نئی اشیاء کے بارے میں ایسے عمومی احکامات دیتا ہے جن کی وجہ سے اسلام زمان ومکاں کی قیود سے ماوراء ہو جاتا ہے۔

4) عقل اور فہم کو کسوٹی اور ماخذ بنا کر ''اجتہاد'' کرنا جسے جدیدیت پسند مفکرین independent thinking کا نام دیتے ہیں:

آج یہ بات بھی بہت سننے کو ملتی ہے کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اسلامی اصولوں کی روشنی میں تدبر (reasoning) اور عقل (Mind) کو بنیاد بنا کر نئے مسائل کے بارے میں ''اجتہاد'' کریں۔ یوں اسلام کو محض ایک تماشائی بنا کر عقل کو مصدر اور کسوٹی بنا لیا جاتا ہے۔ آیئے اب اس حقیقت کا بغور جائزہ لیں کہ شریعت کن معاملات میں عقل کو ماخذ بنانے کی اجازت دیتی ہے اور کن امور میں انسانی عقل وفہم درست فیصلہ کرنے کی صلاحیت سے عاری ہے۔

<u>وہ معاملات جن میں شریعت عقل کو ماخذ اور کسوٹی تسلیم کرتی ہے:</u>

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام انسانی عقل کو نہایت اہمیت دیتا ہے۔ مباح معاملات اور سائنس اور ٹیکنالوجی میں انسانی عقل سے استفادہ حاصل کرنا انسانیت کی فلاح کے لئے نہایت ہی ضروری ہے جس کی طرف حضور ﷺ کی کئی احادیث اشارہ کرتی ہیں۔ نیز اللہ کے وجود، قرآن کے منجانب اللہ ہونے اور محمد ﷺ کے رسول اللہ ہونے سے متعلق حقائق میں اسلام عقل کو کسوٹی اور بنیاد گردانتا ہے۔ اللہ کے وجود پر عقلی دلائل کے ذریعے ایمان لانے کیلئے قرآن جابجا انسان کو سوچنے اور تدبر کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ﴾ (آل عمران: 190) ''بے شک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے اور دن رات کے ادل بدل کر آنے جانے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں

۔'' چنانچہ قرآن پاک میں جہاں انسان کو عقل استعمال کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اس کا مقصد اور ہدف یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے وجود، رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور قرآن کے معجزہ اور منجانب اللہ ہونے کو محض اندھے اعتقاد کے طور پر قبول نہ کرے بلکہ شعوری اور عقلی طور پر قائل ہو کر ایمان لائے۔ چنانچہ اسلام عقیدے کی بنیاد عقل پر رکھتا ہے اور یہی امر اسے دیگر تمام مذاہب سے ممتاز کرتا ہے جو اپنے پیروکاروں کو یہ تلقین کرتے ہیں کہ عقیدہ محض ایک اندھا اعتقاد ہے اور اس میں عقل کا استعمال یا سوال نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ خالق مطلق انسانی عقل کے دائرہ کار کو بھی متعین فرماتے ہیں کیونکہ عقلِ انسانی بہرحال محدود ہے۔

<u>وہ معاملات جن میں شریعت عقل کو مقیاس یا ماخذ بنانے کی اجازت نہیں دیتی:</u>

جیسا کہ مذکورہ بالا بحث سے ثابت ہوا کہ اللہ کے وجود، قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی حقانیت پہچاننے کے لئے اسلام انسان کو عقل استعمال کرنے کا حکم دیتا ہے۔ چنانچہ جب ایک شخص قرآن کو اللہ کی کتاب تسلیم کر لیتا ہے تو پھر شریعت اس میں وارد شدہ تمام احکامات کو دوبارہ انسان کی محدود عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی اجازت نہیں دیتی۔ کیونکہ ایسا کرنا درحقیقت اللہ کو قادر مطلق اور علیم تسلیم کرنے کے باوجود اس کی حکمت اور علم کو چیلنج کرنے کے مترادف ہوگا۔ اسی طرح جب ایک شخص ایک حدیث کے منجانب رسول اللہ ﷺ ہونے کا یقین کر لیتا ہے تو پھر اس حدیث کو اپنے جذبات یا عقل کی بنیاد پر پرکھنا رسول اللہ ﷺ کے نبی اور رسول ہونے پر سوالیہ نشان لگانے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ (الاحزاب: ۳۶) '' اللہ اور اس کا رسول جب کوئی فیصلہ کریں تو کسی مومن مرد یا عورت کے لیے اس فیصلہ میں کوئی اختیار نہیں۔'' اور فرمایا: ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر: ۷) '' اور رسول تمہیں جس چیز کا بھی حکم دیں اسے اختیار کر لو۔ اور جس چیز سے منع کر دیں، اس سے رک جاؤ۔'' مزید برآں خالق کائنات خوب جانتے ہیں کہ انہوں نے جو محدود عقل انسان کو دی ہے اس میں اللہ کے تمام احکامات کی حکمت و منشاء سمجھنے کی صلاحیت نہیں۔ نہ ہی عقل کے پاس ہر خیر یا شر کا از خود فیصلہ کرنے کی استطاعت موجود ہے۔ چنانچہ انسانی عقل یا جذبات کو انسانی تعلقات سے متعلق قوانین اور احکامات کو پرکھنے کے لئے مقیاس یا کسوٹی نہیں بنایا جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (سورۃ البقرۃ: 216) ''جنگ تم پر فرض کر دی گئی ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے-- ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناگوار ہو

اور وہی تمہارے لئے خیر ہو اور ہوسکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند ہو اور وہی تمہارے لئے شر ہو۔ اللہ جانتا ہے، تم نہیں جانتے''۔ اس آیت سے واضح ہو گیا کہ انسانی عقل ہر اچھے یا برے کا از خود فیصلہ نہیں کر سکتی۔ نیز انسانی عقل محدود ہونے کی وجہ سے اس امر سے قاصر ہے کہ وہ انسانوں کی تمام ضروریات اور باہمی تعلقات کو منظّم کرنے کے لئے از خود ایک مربوط نظام مہیا کر سکے۔ جس کا اندازہ ہم مغرب میں پیدا ہونے والے انتشار سے لگا سکتے ہیں جو انسانی عقل کے بل بوتے پر نظام چلانے کے داعی ہیں۔ اسی لئے انسان کو اپنے معاملاتِ زندگی منظّم کرنے کے لئے علیم و خبیر رب کی راہنمائی کی اشد ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ''**سمعنا و اطعنا**'' کہنے کا حکم فرمایا۔ یہ نہیں فرمایا کہ مسلمان وہ ہیں جو سنتے ہیں پھر اسے اپنی عقل پر پرکھتے ہیں اور پھر اطاعت کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حدیث میں بڑے واضح انداز میں ان مسلمانوں کی مذمت کی ہے جو اللہ کے احکامات کو من وعن قبول کرنے کی بجائے اسے عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کے بعد قبول یا مسترد کرتے ہیں۔ یا قرآن وسنت کی بجائے عقل کو بنیاد و ماخذ بنا کر فتوے دیتے ہیں۔ رسول اللہ نے فرمایا:((**إن الله لا ينزع العلم بعد أن أعطاكموه انتزاعا ولكن ينتزعه منهم مع قبض العلماء بعلمهم فيبقى ناس جهال يستفتون فيفتون برأيهم فيضلون ويضلون**)) (بخاری) ''بے شک اللہ علم کو، اس کے بعد کہ تمہیں دیا ہے، ایک دم سے نہیں اٹھالے گا۔ بلکہ اسے اس طرح ختم کرے گا کہ علماء کو ان کے علم کے ساتھ اٹھالے گا۔ پھر کچھ جاہل لوگ باقی رہ جائیں گے ان سے فتویٰ پوچھا جائیگا اور وہ فتویٰ اپنی عقل کے مطابق دیں گے۔ پس وہ لوگوں کو گمراہ کریں گے اور وہ خود بھی گمراہ ہونگے''۔ آپ ﷺ نے مزید فرمایا:((**و من قال في القرآن برأيه فليتبوأ مقعده من النار**)) (الترمذی) ''اور جس نے قرآن میں اپنی عقل (یا رائے) کے ساتھ کہا پس چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنالے''۔ حضرت جندبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿**مَنْ قَالَ فِي الْقُرْآنِ بِرَأْيِهِ فَأَصَابَ فَقَدْ أَخْطَأَ**﴾ (الترمذی، ابو داؤد) ''جس نے قرآن میں اپنی عقل سے کہا اور پھر اس کی رائے (اتفاقاً) درست نکلی پس تحقیق اس نے خطا کی''۔ یعنی اگر ایک شخص قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے احادیث اور اجتہاد کے اصولوں کو پس پشت ڈال دے اور محض اپنی عقل اور رائے کے تیر چلائے اور وہ نشانے پر بھی لگ جائے تب بھی اس نے ایک گناہ کا عمل کیا۔ کیونکہ اسے نصوص کی تشریح میں محض اپنی عقل کو ماخذ بنانے کی اجازت نہ تھی۔ اسلام ہمیں اپنی عقلوں اور خواہشات کو اسلام کے تابع بنانے کا حکم فرماتا ہے نہ کہ ہم اسلام کو اپنی خواہشات یا عقل کے مطابق تراش لیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا:((**لا يستكمل مؤمن إيمانه حتى يكون هواه تبعا لما جئتكم به**)) (بیہقی) ''ایک مؤمن کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں

ہوگا جب تک کہ اس کی خواہشات اس کے تابع نہ ہو جائیں جو میں لایا ہوں (یعنی اسلام)''۔ چنانچہ ان احادیث کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ شرعی مصادر کو چھوڑ کر عقل کے بل بوتے پر شرعی احکام اخذ کرنا یا شرعی احکامات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنا، شرعاً حرام اور موجب سزا ہے۔

ایک مسلمان کا یہ طرہ ہے کہ وہ اللہ پر شعوری ایمان لانے کے بعد اللہ اور رسول کی جانب سے تمام احکامات کو من وعن قبول کرتا ہے اور انہیں اپنی ناقص عقل کی کسوٹی پر نہیں پرکھتا۔ ابوبکرؓ کا مشہور واقع اسی ذہنی اور ایمانی کیفیت کی عکاسی کرتا ہے۔ جب ابوجہل نے ان سے محض یہ سوال پوچھا کہ کیا تمہاری عقل یہ مانتی ہے کہ ایک شخص ایک ہی رات میں بیت المقدس کا سفر کر کے واپس مکہ آ سکتا ہے؟ تو اس پر ابوبکرؓ نے فرمایا کہ یہ ممکن نہیں۔ پھر جب اس نے کہا کہ یہی آپ کے دوست (محمد ﷺ) دعوی فرما رہے ہیں تو اس پر حضرت ابوبکرؓ نے فوراً فرمایا کہ اگر تو یہ محمد ﷺ نے کہا ہے تو میں اس واقعے کی ابھی اور اسی وقت تصدیق کرتا ہوں۔ پس حضرت ابوبکرؓ نے عقل پر آپ ﷺ کے فرمان کو ترجیح دی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اللہ ایسے تمام معجزے کرنے پر قادر ہے جن کا ادراک اور احاطہ عقل نہیں کر سکتی۔

پس عقل کو انسانی مسائل حل کرنے یا نظام اخذ کرنے کے لئے مصدر (source) نہیں بنایا جا سکتا بلکہ عقل وہ آلہ (Tool) ہے جس کی مدد سے انسان شرعی مصادر (قرآن، سنت، اجماع الصحابہ اور قیاس) سے احکامات استنباط کرتا ہے۔ چنانچہ انسان اللہ کی دی ہوئی اس عظیم نعمت یعنی عقل کو سائنسی ترقی، اللہ کو پہچاننے اور اس کے دئے گئے شرعی مصادر سے احکامات استنباط کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ عقل کو ماخذ اور مصدر (source) بنا کر ''اجتہاد'' کرنے والے درحقیقت اسلام کو اپنی خواہشات اور محدود فکر کے مطابق بنانا چاہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ مغربی تھنک ٹینک اپنی رپورٹوں میں مسلمانوں کو عقلی بنیاد پر ''اجتہاد'' کرنے کی دعوت دے رہے ہیں۔

5) کیا اللہ کے احکامات کو اکیسویں صدی کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے اجتہاد کا رستہ اختیار کیا جائے؟

ہمارے روشن خیال اور اسلام میں جدیدیت کے قائل دوستوں کا یہ بھی خیال ہے کہ اللہ کے احکامات کو اکیسویں صدی کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کے لئے دوبارہ ''اجتہاد'' کی ضرورت ہے۔ اس قسم کے بیانات ہمیں ''انسانی حقوق'' اور ''حقوق نسواں'' کے علم برداروں کے ساتھ ساتھ اسلامی ذہن رکھنے والے چند سادہ لوح لوگوں سے بھی سننے کو ملتے ہیں۔ طرفہ تماشہ یہ ہے کہ بولنے والے کو بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس جملے سے حقیقتاً کیا مراد

ہے۔ اگر اس جملے کو مزید سلیس الفاظ میں بیان کیا جائے تو اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ ''اللہ کے دئے گئے احکامات چودہ سو سال پرانے ہو چکے ہیں اور آج ہمیں ان پر عمل درآمد میں دشواری کا سامنا ہے، چنانچہ انہیں اس طرح تبدیل کیا جائے کہ سرمایہ دارانہ نظام پر چلنے اور سٹیٹس کو برقرار رکھنے میں یہ احکامات ہمارے رستے کی رکاوٹ اور ضمیر کی خلش کا باعث نہ بنیں۔'' چنانچہ اگر محمد عربی ﷺ کا اسلام سود سے متعلق احکامات دیتا ہے تو آج ان پر چل کر ہم سرمایہ دارانہ نظام کے دیے ہوئے بینکنگ کے نظام کو نافذ نہیں کر سکتے۔ لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ ''فقہاء'' نئے معاشی تقاضوں کے تحت ''اجتہاد'' کریں تاکہ امت کی ''راہ نمائی'' ہو سکے۔ اسی طرح اگر اسلام اقوام متحدہ یا عالمی تجارتی ادارے (WTO) میں شمولیت کی اجازت نہیں دیتا تو ہمیں چاہئے کہ ہم موجودہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ''اجتہاد'' کا دروازہ کھٹکھٹائیں تاکہ حالات کو بدلنے کی کوشش کرنے کے بجائے ہم اسلام کو اس خوبصورتی سے بدلیں کہ وہ ایک نگینے کی طرح گلوبلائزیشن کی انگوٹھی میں فٹ ہو سکے۔ ان جدیدیت پسندوں (modernists) کا یہ بھی کہنا ہے کہ چونکہ عالمی سیاسی حالات تبدیل ہو گئے ہیں لہذا ماضی کی طرح فوج کشی (یعنی جہاد) کے ذریعے ہم اپنی ریاستوں کی سرحدیں نہ تو وسیع کر سکتے ہیں اور نہ ہی ایک مضبوط مسلم ملک میں خلافت قائم کر کے دیگر مسلم ممالک کو اپنے اندر ضم کر سکتے ہیں کیونکہ اقوام متحدہ کا چارٹر اس کی اجازت نہیں دیتا جس پر تمام مسلم ممالک دستخط کر چکے ہیں۔ لیکن حیرت انگیز طور پر اسلامی ممالک کے درمیان حائل سرحدوں کو قائم رکھنے کی باتیں کرنے والے ''روشن خیال'' حضرات، امریکی اشارے پر پاک بھارت سرحد گرا کر ساؤتھ ایشن یونین کے نام پر ''اکھنڈ بھارت'' قائم کرنے کے لئے بڑے مستعد نظر آتے ہیں۔ چنانچہ جہاد اور ایک خلیفہ تلے مسلمانوں کی وحدت سے متعلق واضح آیات اور احادیث کے باوجود جدیدیت پسندوں کا یہ کہنا ہے کہ ہمیں نئے عالمی سیاسی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان مسائل پر دوبارہ ''اجتہاد'' کرنا چاہئے تاکہ سٹیٹس کو برقرار رکھنے کی خاطر اسلام کو اکیسویں صدی سے ''ہم آہنگ'' بنایا جا سکے۔

حالات کو بنیاد بنا کر اللہ کے احکامات کو تبدیل کرنا اللہ اور رسول ﷺ کے ساتھ بغاوت کرنے کے مترادف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ (الاحزاب: ۳۶) ''اللہ اور اس کا رسول جب کوئی فیصلہ کریں تو کسی مومن مرد یا عورت کے لیے اس فیصلہ میں **کوئی اختیار نہیں۔**'' اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ حالات کو دیکھ کر انسان کو اللہ اور رسول ﷺ کے دئے ہوئے احکامات میں تحریف یا ردوبدل کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا: ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر: ۷) ''اور رسول تمہیں جس چیز کا بھی حکم دیں اسے اختیار

کرلو۔ اور جس چیز سے منع کردیں، اس سے رک جاؤ۔'' اسلام لوگوں کی مرضی اور خواہشات کا تابع ہے نہ ہی حالات اور عالمی نظام کا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب فرما کر حکم دیا: ﴿فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَاتَتَّبِعْ اَهْوَآءَ هُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْ بَّعْضِ مَااَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ﴾ (المائدۃ:۴۸) ''پس آپ (ﷺ) لوگوں کے درمیان اللہ کے نازل کردہ (احکامات) کے مطابق فیصلہ کریں۔ اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں' اور محتاط رہیں کہ کہیں یہ آپ کو اللہ کے بعض نازل کردہ (احکامات) کے بارے میں فتنے میں نہ ڈال دیں۔'' اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی اور حالات کے مطابق اسلام کے کچھ حصے کو قبول کرنے اور بعض کو رد کرنے کے عمل کی بڑی سختی سے مذمت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ، فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ إِلَىٰٓ أَشَدِّ الْعَذَابِ﴾ (البقرۃ:85) ''کیا تم کتاب کے بعض احکام مانتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو؟ جو لوگ ایسے کام کریں، ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہوسکتی ہے کہ وہ دنیا میں ذلیل وخوار ہوں اور قیامت کے دن سخت عذات کی طرف دھکیل دیئے جائیں''۔ حضور ﷺ نے ہمیں مسلمانوں میں سے ایسے لوگوں سے خبردار فرمایا ہے جو اسلام کو مختلف تأویلوں کے ذریعے بدلنے کی کوشش کریں گے یہاں تک کہ صریحاً حرام کردہ اشیاء کو نام بدل کر حلال ٹھہرالیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((**ليشربن ناس من أمتي الخمر يسمونها بغير اسمها**)) (**احمد، ابو داؤد**) ''میری امت میں سے کچھ لوگ خمر (شراب) پئیں گے اور اسے خمر (شراب) کے علاوہ کوئی اور نام دے دیں گے''۔ اسلام ایک مؤمن کو مکمل طور پر اسلام میں داخل ہونے کی تلقین کرتا ہے اور حالات کو بنیاد بنا کر اس میں قطع وبرید کی اجازت نہیں دیتا۔

حالات کے مطابق اسلام کو ڈھالنے کی سوچ اگر ایک ملحد کی نہیں تو کم از کم ایک ہارے ہوئے شخص کی غمازی ضرور کرتی ہے۔ آج اگر اسلام سے کئی ہزار سال پرانا جمہوری نظام نافذ ہوسکتا ہے تو پھر اسلام کیوں نافذ نہیں ہوسکتا؟ چنانچہ یہ جدیدیت پسند سود کا استعمال، انٹیلیکچول پراپرٹی رائٹس کے قوانین، تیل اور گیس جیسے عوامی اثاثہ جات پر ملٹی نیشنل کمپنیوں کی اجارہ داری، اپنے ہی مسلمانوں کا قتل عام وغیرہ جیسے تمام غیر شرعی اعمال کو حکمت اور حالات کے عنوان کے تحت اسلامی قرار دے دیتے ہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چل کر اس عالمی استعماری نظام اور حالات کو بدلا جاتا جسے اسلام مردود ٹھہراتا ہے، جبکہ یہ ''روشن خیال'' حالات کے مطابق اسلام کو بدلنے کے درپے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ ہم مغرب کے عطا کردہ آزادیوں اور مساوات کے افکار (جن پر وہ خود بھی

کار بند نہیں) کو مقیاس اور کسوٹی بنا کر اسلام کو اس پر پرکھتے ہیں۔ اور پھر ''اجتہاد'' کا نام لے کر اسلام کو اس کسوٹی کے مطابق تبدیل کرنے کو عظیم کارنامہ گردانتے ہیں۔ جبکہ حقیقت تو یہ ہے کہ مرد وزن کے مکمل طور پر یکساں حقوق و فرائض کا نظریہ ہو یا آزادئ ملکیت و جمہوریت کے باطل افکار ان تمام کو اسلام کی کسوٹی پر پرکھنا چاہئے تھا۔ نیز اسلام کے احکامات کی بنیاد پر موجودہ حالات کو تبدیل کرنے کے لئے جدوجہد کرنی چاہئے تھی نہ کہ اسلام کو حالات کے چوکھٹے میں فٹ کرنے کی کوشش۔

6) کیا اجتہاد مجتہد کی ذاتی پسند یا ناپسند پر مبنی ہوتا ہے جسے وہ جب چاہے تبدیل کر لے؟

کچھ لوگوں کا یہ بھی تأثر ہے کہ اجتہاد مجتہد کی ذاتی پسند یا ناپسند پر مبنی ہوتا ہے جسے وہ جب چاہے بدلنے کا اختیار رکھتا ہے۔ یہ سوچ بالکل بے بنیاد اور باطل ہے۔ مجتہد فقط قرآن اور سنت میں وارد شدہ اللہ کے احکامات کو متعین اصولوں کے مطابق اخذ کرتا ہے۔ اسی لئے ہر مجتہد مستنبط شدہ حکم کے لئے شرعی مصادر سے دلیل پیش کرنے کا پابند ہوتا ہے تاکہ دیگر علماء اور مقلدین اس اجتہاد کی صحت کی جانچ پڑتال کر سکیں۔ ہاں اگر اسے اپنے پہلے اجتہاد میں غلطی کا احساس ہو جائے یا اس کے پاس کوئی نئی حدیث پہنچے جو اس سے پہلے اس تک نہیں پہنچی تھی، تو ایسی صورت میں وہ دوبارہ اجتہاد کے ذریعے اپنی غلطی کو درست کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں اکثر مجتہدین کے ایک ہی مسئلے پر دو اقوال ملتے ہیں ایک پرانا اور ایک نیاء۔ لیکن واضح رہے کہ مجتہدین کا نیا اجتہاد بھی ان کی اپنی ذاتی پسند یا خواہش کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ اپنے کمزور اجتہاد کو درست کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں امام شافعیؒ کی فقہ میں ایک بڑی تبدیلی نظر آتی ہے جب وہ مصر میں تشریف لے گئے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ ان کی اصول الفقہ میں مصر کے فقہا کے ساتھ تفصیلی مباحث کے بعد تبدیلی رونما ہوئی جس کی وجہ سے ان مستنبط شدہ احکامات میں بھی تبدیلی آئی۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ ایک مجتہد ایک مسئلے میں اپنی مرضی کے مطابق حکم صادر نہیں کرتا بلکہ قرآن وسنت، اجماع الصحابہ اور قیاس جیسے شرعی مصادر سے اللہ کے حکم تک رسائی حاصل کرتا ہے۔ نیز تمام وہ لوگ جو خود اجتہاد کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ان پر لازم ہے کہ وہ کسی بھی معتبر مجتہد یا عالم سے اس مسئلے کے بارے میں اللہ کا حکم پوچھ کر اس پر عمل کریں۔

7) کیا اجتہاد بھی درحقیقت انسان کو قانون سازی کا اختیار تفویض کرنے کے مترادف ہے؟

مغربی مستشرق یہ سوچ بھی پھیلانے کی کوشش میں مصروف ہیں کہ اللہ کی حاکمیت اس لئے ممکن نہیں کیونکہ مجتہد اجتہاد کے ذریعے قانون سازی کا اختیار رکھتا ہے۔ یوں جب قانون سازی کا اختیار انسان کو دے دیا جائے تو

پھر اللہ کی حاکمیت خود بخود زائل ہو جاتی ہے۔ یہ اسلام پر حد درجہ گری ہوئی تہمت ہونے کے ساتھ ساتھ فکری لحاظ سے نہایت خطرناک حملہ بھی ہے۔

درحقیقت مجتہد قانون سازی نہیں کرتا بلکہ اللہ کے دئے ہوئے قانونی (شرعی) مصادر سے احکامات اخذ کرتا ہے۔ قانون سازی اور احکامات استنباط کرنے کے فرق کو سمجھنے کے لئے جمہوری نظام حکومت کی مثال پیش خدمت ہے۔ جمہوریت میں قانون سازی کا اختیار اسمبلیوں کے پاس ہوتا ہے۔ یہی ادارہ آئین میں ترامیم کرنے اور دیگر قوانین بنانے یا بدلنے کا مجاز ہوتا ہے۔ جبکہ جج حضرات اور دیگر قانونی ماہرین کا کام ان قوانین کو سمجھنا اور ان کے عملی زندگی میں اطلاق کے بارے میں عوام کی راہنمائی کرنا ہوتا ہے۔ آج تک کسی نے بھی ان ججوں، وکلاء یا عدلیہ کو قانون ساز ادارے نہیں گردانا۔ ان قانونی ماہرین کا کام محض آئین اور دیگر قوانین کو باہم ملا کر عملی زندگی سے متعلق تفصیلی قوانین اخذ کرنا اور اس بارے میں عام لوگوں کی رہنمائی ہوتا ہے۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو قانون سازی کا اختیار فقط اللہ کے پاس ہے۔ اللہ نے یہ قوانین شرعی مصادر میں اپنے بندوں کے لئے پیش کر دئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جمہوری نظام کفر ہے جہاں قانون بنانے کا آخری حق عوام کے نمائندوں کی اکثریت کے پاس ہوتا ہے۔ جبکہ نظام خلافت میں خلیفہ یا منتخب شدہ مجلس امت کے پاس قوانین بنانے، انہیں تبدیل کرنے یا انہیں مؤخر کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ مجتہدین وہ قانونی ماہرین ہوتے ہیں جو اللہ کے نازل کردہ احکامات کو سمجھتے ہیں اور ان سے عملی زندگی کے لئے تفصیلی احکامات استنباط کر کے عام لوگوں کی راہنمائی کرتے ہیں۔ جس طرح ایک عام پاکستانی انگریزی جاننے کے باوجود از خود آئینِ پاکستان اور دیگر قانونی کتب کا مطالعہ کر کے ہر مسئلے کے لئے قانون نہیں سمجھ سکتا، بالکل اسی طرح قرآن وسنت کا ترجمہ پڑھ کر یا واجبی سی عربی سیکھ کر ایک مسلمان قرآن وسنت سے احکامات استنباط کرنے کی صلاحیت حاصل نہیں کر لیتا۔ گو کہ اسلام میں عیسائیت کی طرح مذہب پر چند افراد کی اجارہ داری مثلاً پوپ یا پادریوں (Clergy) کا کوئی تصور نہیں اور کوئی بھی مسلمان مطلوبہ علوم پر مکمل عبور حاصل کر کے اجتہاد کر سکتا ہے۔ چنانچہ ایک مجتہد کے لئے عربی زبان، قرآن کی تفسیر، علم الحدیث اور اصول الفقہ پر مکمل عبور ہونا لازمی ہے۔ یہ ایسے علوم نہیں جن پر آج کے دور میں عبور حاصل نہ کیا جا سکے۔ آج جتنا عرصہ ایک ذہین شخص کسی شعبے میں پی ایچ ڈی کرنے میں صرف کرتا ہے اتنے ہی عرصے میں ایک مجتہد با آسانی تیار کیا جا سکتا ہے۔

چنانچہ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ اجتہاد کسی مجتہد کی اپنی ذاتی پسند ناپسند پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ یہ فقط قرآن اور سنت میں وارد شدہ اللہ کے احکامات کو اجتہاد کے متعین اصولوں کے تحت سمجھنے کا نام ہے۔ اجتہاد کے بنیادی

اصولوں کی تفصیلی بحث اصول الفقہ کی کتب میں موجود ہے انہیں فراموش کر کے محض رائے زنی اور اٹکل پچو کے تیر چلانے کو اجتہاد نہیں کہتے جیسا کہ آمنہ ودود، اسراء نعمانی اور ان کے حواری دعویٰ کر رہے ہیں۔ اسی لئے ہر مجتہد مستنبط شدہ حکم کے لئے شرعی مصادر سے دلیل پیش کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی تفصیلاً بیان کرتا ہے کہ آخر اس نے اس دلیل سے یہ حکم، اصول الفقہ کے کن اصولوں پر چل کر اخذ کیا تا کہ دیگر علماء اور مقلدین اس اجتہاد کی صحت کی جانچ پڑتال کر سکیں۔

8) اجتماعی اجتہاد

آج کل اجتماعی اجتہاد کی اصطلاح بھی عام کی جا رہی ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ کچھ عالموں کو اکھٹا کر کے ایک مسئلے پر بحث و تمحیص کی جائے۔ جس کے اختتام پر ان علماء سے کسی مشترکہ فتوے یا اعلامیہ پر دستخط کروائے جائیں۔ یا اکثریت کی بنیاد پر ایک رائے کو منتخب کیا جائے۔ اس قسم کی مثال ہمیں مئی 2005 میں اسلام آباد میں ہونے والی عالمی علماء کانفرنس میں ملتی ہے جہاں دنیا کے بیشتر حصوں سے بلائے گئے علماء سے خاندانی منصوبہ بندی کے ''شرعاً جائز'' ہونے کے اعلامیے پر دستخط کروائے گئے۔ نیز خودکش حملوں پر تمام مکاتب فکر کے علماء کو بلا کر اس کی حرمت پر فتوے لئے گئے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اس طریقہ کار سے ہم ہمیشہ مسئلے کے درست شرعی حل تک پہنچ سکتے ہیں۔ نیز کیا اس قسم کے ''اجتماعی اجتہاد'' کی شریعت سے کوئی دلیل ملتی ہے یا نہیں؟

اسلام کسی مسئلے کی تہہ تک پہنچنے کے لئے فکری بحث کی اجازت دیتا ہے۔ اسلامی فقہ کی کتب میں مختلف علماء کے مثبت مباحثوں کے کئے واقعات ملتے ہیں۔ لیکن ایک مسئلے کے لئے شرعی حکم کبھی بھی اکثریت کی بنیاد پر اخذ نہیں کیا جاتا کیونکہ شرعی حکم فقط قوت دلیل کی بنیاد پر قبول یا رد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ عین ممکن ہے کہ ایک مسئلے میں اکثریت کا اجتہاد کسی کمزور دلیل کو بنیاد بنانے کی وجہ سے غلطی پر مبنی ہو جبکہ اس مسئلے کے بارے میں زیادہ علم اور سمجھ رکھنے کی وجہ سے ایک مجتہد زیادہ قوی دلیل تک رسائی حاصل کر لے۔ یوں نتیجتاً صحیح اجتہاد کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ مزید یہ کہ صحابہؓ سے اجتماعی اجتہاد کی کوئی مثال نہیں ملتی، یہاں تک کہ تابعین اور تبع تابعین سے بھی اس قسم کی کوئی دلیل نہیں ملتی۔ ہم نے دیکھا کہ حضرت ابوبکرؓ نے عمرؓ سمیت صحابہ کی اکثریتی رائے کو مسترد کرتے ہوئے اپنی رائے کو نافذ کیا اور مرتدین زکاۃ، جھوٹی نبوت کے دعوے داروں اور رومیوں کے خلاف ایک ساتھ لشکر کشی فرمائی۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے عراق کے مفتوحہ علاقوں پر خراج لاگو کرنے سے متعلق اپنے اجتہاد کو نافذ فرمایا اگرچہ حضرت بلالؓ اور اکابر صحابہؓ کا

اجتہادان سے مختلف تھا۔ حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے اس طریقہ کار پر تمام صحابہؓ کا اجماع ہے جو ہمارے لئے شرعی دلیل ہے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ کوئی اجتہاد فقط اس لئے درست یا زیادہ بہتر تسلیم نہیں کیا جاتا کہ اکثریت اس رائے کو درست سمجھتی ہے۔ عقائد اور شرعی احکام میں اکثریت کو بنیاد نہیں بنایا جاسکتا۔ اسی کی طرف قرآن کی یہ آیت دلالت کرتی ہے۔ ﴿وَإِنْ تُطِعْ أَكْثَرَ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ (الأنعام: 116) ''اگر آپ اہل زمین کی اکثریت کی اتباع کریں گے تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بہکا دیں گے۔'' امام ابوحنیفہؒ اپنے شاگردوں کے ساتھ مل کر مسائل پر تحقیق فرماتے تھے لیکن ان سے کبھی بھی مشترکہ یا اجتماعی اجتہاد کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ، امام زفرؒ، امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے ایک ہی مسئلے پر اپنے اپنے اجتہادات ملتے ہیں جو کبھی آپس میں مطابقت رکھتے اور کبھی اختلاف۔ حقیقت یہ ہے کہ شریعت میں اکثریت کی بنیاد پر احکامات اخذ کرنے کی کوئی دلیل نہیں ملتی اسی لئے یہ طریقہ کار قبول نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((ومن أَحْدَثَ في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رَدٌّ)) (مسلم) ''جو کوئی ہمارے حکم (دین) میں کوئی ایسا حکم (قانون) داخل کرتا ہے جو اس (دین) میں سے نہیں تو وہ (قانون) مردود ہے''۔ چنانچہ اس حدیث سے واضح ہوا کہ اگر قرآن، سنت، اجماع الصحابہ سے اجتماعی اجتہاد کی کوئی دلیل نہیں ملتی تو اسے حلال قرار نہیں دیا جاسکتا۔

درحقیقت ''اجتماعی اجتہاد'' کی بات کرنے والوں میں سے کچھ مخلص حضرات کا مطمعِ نظر امت میں فکری اور فقہی ہم آہنگی پیدا کرنا ہے۔ لیکن انہیں یہ سمجھنا چاہئے کہ امت کے فکری انتشار کی وجہ مسائل میں اجتہادی اختلافات نہیں۔ بلکہ انتشار کی وجہ موجودہ دور میں ایسی اتھارٹی کی عدم موجودگی ہے جس کے ذریعے مختلف فقہی آراء میں سے ایک رائے کو تمام رعایا پر نافذ کیا جائے۔ اسلام میں خلیفہ ہی وہ اتھارٹی ہے جو مختلف اجتہادات میں سے ایک اجتہاد کو قوت دلیل کی بنیاد پر نافذ کرتا ہے جس پر عملدرآمد تمام مسلمانوں کے لئے واجب ہوتا ہے جس کی تفصیل اور دلائل ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔

9) کیا اپنی مرضی یا ''اجتہاد'' کے ذریعے اللہ کے احکامات کو مؤخر یا معطل کیا جاسکتا ہے؟

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انسان حالات و واقعات کی بنیاد پر اللہ کے احکامات اور حدود کو مؤخر یا معطل کرسکتا ہے۔ اس ضمن میں وہ حضرت عمرؓ کے عمل کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں جب انہوں نے اپنے دور خلافت میں قحط کے دوران ایک چور کا ہاتھ نہ کاٹنے کا فیصلہ صادر فرمایا تھا۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حضرت عمرؓ نے اپنی مرضی اور

اجتہاد سے ہاتھ کاٹنے کی حد کو موقوف کر دیا تھا؟

حدود وہ سزائیں ہیں جن میں کسی قسم کی کوئی کمی اور زیادتی ممکن نہیں کیونکہ یہ منجانب اللہ ہیں۔ حدود کی شرائط پوری ہونے کی صورت میں خلیفہ یا قاضی کے پاس حدود نافذ نہ کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ ہاں اگر حدود کی شرائط و شہادتیں ہی پوری نہ ہوں تو قاضی حد نافذ نہیں کر سکتا بلکہ اسے تعزیر کی سزا دے سکتا ہے۔ حدود کی شرائط میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ مجرم کے ارتکاب جرم میں کسی بھی قسم کا کوئی شبہہ نہ ہو۔ نیز گواہوں کی تعداد پوری ہو، چوری ہونے والی شئے کی قیمت ایک چوتھائی دینار سے زیادہ ہو اور وہ شئے کسی محفوظ جگہ سے چرائی گئی ہو، راہ پڑی چیز کی چوری پر ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ شریعت یہ بھی لازم ٹھہراتی ہے کہ اگر ایک شخص کی بنیادی ضروریات پوری نہ ہوں تو اس پر حد نافذ نہ کی جائے۔ چنانچہ اگر ایک بھوکا چوری کرے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جا سکتا۔ اسی طرح قحط کے دنوں میں شریعت ہاتھ کاٹنے کی اجازت نہیں دیتی۔ فتح القدیر اور مبسوط میں حضرت مکحولؒ سے یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((لَا قَطْعَ فِی مَجَاعَةٍ مُضْطَرٍّ)) ''حالت اضطرار والی بھوک میں قطع (ہاتھ کٹنے کا عمل) نہیں ہوگا۔'' چنانچہ قحط کے دوران حضرت عمرؓ نے کسی حد کو اپنی ذاتی مرضی سے مؤخر (suspend) یا معطل نہیں کیا بلکہ انہوں نے مذکورہ بالا حدیث کے حکم کو نافذ فرمایا تھا۔

مندرجہ بالا بحث سے واضح ہوا کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہونے کے ناطے جدید و قدیم تمام انسانی مسائل کے متعلق انسان کی راہ نمائی کرتا ہے۔ نیز اگر آج ہم اپنی کمزوریوں کی وجہ سے تمام احکامات قرآن سے اخذ نہیں کر سکتے تو اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں کہ ہم اسلام پر یہ تہمت لگانا شروع کر دیں کہ اسلام ان جدید مسائل پر خاموش ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اجتہاد کے طریقہ کار کو سمجھتے ہوئے حکومتی نظام، معاشی نظام، معاشرتی نظام، عدالتی نظام، تعلیمی پالیسی اور خارجہ پالیسی وغیرہ قرآن و سنت سے اخذ کریں تاکہ خالص اسلام کو نافذ کیا جا سکے نہ کہ اسلام کے لبادے میں سرمایہ دارانہ نظام کو۔ نیز اسلامی ریاست (یعنی خلافت) کے قیام کے لئے اللہ کا دیا ہوا وہ طریقہ کار بھی تلاش کریں جو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اپنی سنت کے ذریعے عطا فرمایا نہ کہ اپنی عقل اور مرضی پر چلتے ہوئے کبھی بیلٹ اور کبھی بُلٹ کے رستے میں بھٹکتے رہیں۔ اللہ امتِ مسلمہ کا حامی و ناصر ہو!

نوید بٹ